ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۱ نومبر ۱۹۹۵ء

☆ کراچی میں پندرہ افراد کا قتل... پردۂ غیب میں کون ہے؟ روداد چمن
☆ مسلمان ممالک کے لئے امریکہ کی نئی حکمت عملی : مغرب اور عالم اسلام
☆ ڈاکٹر اسرار احمد یہودیوں کے ایجنٹ ہیں یا ایک حقیقت پسند انسان؟

حدیثِ امروز

پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتیں اور ملکی حالات

ماہ نومبر ۹۵ء اس لحاظ سے نمایاں حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ اس ماہ کے دوران تا حال مذہبی جماعتوں کے دو بڑے بڑے اجتماع منعقد ہو چکے ہیں اور تیسرے کے لئے تیاریاں شروع ہیں۔ پہلا اجتماع "مرکز دعوۃ والارشاد" کا تھا جو لاہور کے نواح مرید کے میں یکم تا ۳ نومبر منعقد ہوا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کا اجتماع ۸ تا ۱۰ نومبر مینارِ پاکستان کے زیر سایہ منعقد ہوا۔ تیسرا اجتماع تبلیغی جماعت کا ہے جو ۱۷ تا ۱۹ نومبر رائے ونڈ میں منعقد ہو رہا ہے۔ یہ تینوں اجتماع عالمی اہمیت کے حامل ہیں اور بلاشبہ لاکھوں مسلمان ان میں شریک ہوئے ہیں یا ابھی ہوں گے۔ جن میں غالب اکثریت پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کی ہی ہے۔ اس سے قبل اکتوبر کے اواخر میں اسی نوعیت کے تین اجتماعات ہو چکے ہیں جن میں تعداد کے لحاظ سے اسلامی جمعیت طلبہ کا اجتماع خاصا متاثر کن تھا۔ اس سے متصلاً قبل ہمارا تنظیم اسلامی کا بیسواں سالانہ اجتماع ہے۔ ہمارے اپنے معیار کے اعتبار سے بہت بھرپور اور کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ۳۰ اکتوبر کو موچی دروازہ لاہور میں "جماعت اہلِ سنت" کا ایک روزہ اجتماع منعقد ہوا۔ ماہ اکتوبر میں ہی ملتان میں اہلِ سنت والجماعت کے بریلوی مکتبِ فکر کی ایک اہم اصلاحی تحریک "دعوتِ اسلامی" کا بہت بڑا اجتماع منعقد ہو چکا ہے۔ گویا ان دنوں مجموعی طور پر اندازاً دس لاکھ مسلمانوں نے پاکستان کے کونے کونے سے رختِ سفر باندھ کر ان اجتماعات میں شرکت کی ان اجتماعات کو رونق بخشی۔ یہ تمام لوگ ہمیں یقین ہے کہ صرف رضائے الٰہی اور اپنی نجات اخروی کے طالب تھے کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی فوری دنیاوی مقصد ان اجتماعات میں شمولیت سے حاصل ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ بلاشبہ اپنی جگہ پر نہایت خوش آئند ہے۔ لیکن دوسری طرف ملک کے اندر تیزی سے رونما ہونے والے حالات و واقعات کو دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں ہم سے بدتر کوئی ملک اور قوم موجود نہیں ہے۔ اوپر سے لے کر نیچے تک قوم کا ہر فرد' الا ماشاء اللہ' منافقت' جھوٹ' فریب' دھوکہ دہی لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں گویا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک چھوٹے سے ملک میں اگر واقعتاً لاکھوں کی تعداد میں خدا ترس اور دین سے دلچسپی رکھنے والے افراد موجود ہیں تو بحیثیت قوم ہمارا یہ حال کیوں ہے؟۔ ہم اس وقت عذاب الٰہی کی زد میں کیوں ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے مذہب کو بھی دنیا کمانے کا آلہ بنا لیا ہے یا ہماری دینی جماعتیں طریق نبوی سے ہٹنے کے باعث انتخابی سیاست کی دلدل میں پھنس کر اپنے ہدف سے دور سے دور تر ہو رہی ہیں؟ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ ہمارے قدم دن بدن تباہی اور بربادی کی طرف ہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ امید کی کوئی کرن کہیں نظر نہیں آتی۔ پوری دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرانے کے ہمارے دعوے یکسر کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ ہر جگہ باطل کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو باطل پسند نہیں' دراصل مجرم ہم ہیں۔ دعوے تو ہم بہت بلند بانگ کرتے ہیں مگر عمل کے میدان میں بہت پیچھے ہیں۔ ہماری دینی جماعتوں نے مینارِ پاکستان کے سایہ میں کامیاب اجتماعات کر کے بہت بڑی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اب ان لاکھوں فرزندان اسلام کو چاہئے کہ میدان میں آئیں اور نبوی طریقِ کار کو اپنا کر بھرپور انقلابی جدوجہد کے ذریعے اس ملک سے باطل کا جنازہ نکال دیں۔ اگر ہم اپنے قول اور فعل میں سچے ہوئے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمارا مددگار ہو گا۔ ○○

قیمت = ۸ روپے

الہدیٰ

حافظ عاکف سعید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ان گھروں میں کہ جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے حکم دیا ہے' ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں O وہ باہمت لوگ کہ جنہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی

(کہ وہ اصحاب ایمان و یقین جن کے ایمان کی کیفیت کا بیان "نور علیٰ نور" کے الفاظ میں ہوا' اللہ کی یاد سے کسی لمحے بھی غافل نہیں ہوتے۔ ان کے دل اللہ کی یاد سے اس درجے آباد رہتے ہیں کہ دنیاوی مشاغل ہوں یا کاروباری مصروفیات' کوئی شے ان کے ذکر الٰہی میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ انہیں دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ذکر الٰہی خصوصاً نماز میں میسر آتی ہے۔ اور ان کے دل کی کلی مساجد ہی میں کھلتی ہے۔)

وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن کے خیال سے جس میں دل اور نگاہیں الٹ جائیں گی O

(ذکر الٰہی اور عبادت رب میں اس قدر انہماک کے باوجود اپنے بارے میں وہ کسی زعم کا شکار نہیں ہوتے بلکہ قیامت کی ہولناکیوں اور اپنے رب کی پکڑ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔)

تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے' اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے O

(یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دراصل اپنے مقصد تخلیق کو باحسن وجوہ پورا کیا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے ان کے رب کے پاس بہترین بدلہ تو ہے ہی' ان انعامات و اکرامات کا کیا شمار جو ان کا رب اضافی طور پر انہیں عطا فرمائے گا کہ جس کے خزانے بے حد و نہایت ہیں اور جس کی عطا لامحدود۔)

(سورہ النور' آیات ۳۶ تا ۳۸)

جوامع الکلم

نماز دین کا ستون ہے

(نماز کی اہمیت کے بیان میں اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ کیا ہو سکتا ہے کہ یہ تو وہ ستون ہے جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ تو کیا اس فرمان نبویؐ کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے نماز کے ترک کرنے کا کوئی جواز باقی رہتا ہے؟)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

(نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور قرار دے رہے ہیں کہ یہی ایمان کی سب سے نمایاں علامت ہے۔ اس لئے کہ اہل ایمان کا یہ وصف قرآن حکیم میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان کے دل تو اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان پاتے ہیں' اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ نماز بلاشبہ ذکر الٰہی کی اعلیٰ ترین شکل ہے)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۴ شمارہ ۴۷

۲۱ تا ۲۷ نومبر ۱۹۹۵ء

مدیر: حافظ عاکف سعید
معاون مدیر: نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ - اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ اس وقت متعدد فرقوں، مسالک اور قومیتوں میں بٹی ہوئی ہے اور علامہ اقبال کی اس آرزو کی کوئی عملی تعبیر دور دور نظر نہیں آتی کہ جس کی حسرت اپنے دل میں لئے وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے، یعنی۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

ایک علامہ ہی پر کیا موقوف، ہر درد مند مسلمان، مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شدت کے ساتھ آرزو مند ہے، لیکن تاحال صورت یہی ہے کہ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! تاہم ملت اسلامیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کو اگر مد نظر رکھا جائے تو حقیقت پسندانہ طرز فکر یہی ہو گا کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ مسالک کے اختلاف کو یکسر ختم کرنا اب ناممکن ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کیا جا سکتا ہے کہ اختلاف کو اس کی جائز حدود میں رکھا جائے اور اسے "افتراق" میں تبدیل ہونے نہ دیا جائے۔ ہر مسلک کے متعلقین دوسرے مسالک کے لئے اپنے سینوں کو کشادہ رکھیں، قرآن و سنت کو اپنا دار مان کر تمام مسالک اور فرقے ایک دوسرے سے قریب آئیں اور آپس کے فاصلوں کو کم کریں ---- اس لئے کہ یہ مسلک پسندی اور فرقہ پرستی اگر اسی طرح برقرار رہی تو اس دین کی اقامت کہ جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہے، کا مرحلہ کبھی سر نہ ہو سکے گا۔ اسی احساس کے پیش نظر امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے چند ماہ قبل ایک خطاب جمعہ میں شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت اور اس کی ممکنہ صورت پر تفصیل سے اظہار خیال کیا تھا کہ وحدت امت کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی شیعہ سنی اختلاف ہے جس کی تاریخ دیگر مسلکی اختلافات کے مقابلے میں سب سے قدیم ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے اس اہم خطاب کو بعد ازاں کتابچے کی صورت میں شائع بھی کر دیا گیا تھا تاکہ ان خیالات کو زیادہ سے زیادہ عام کر کے پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی راہ ہموار کی جا سکے۔

اس ضمن میں جو عملی تجویز محترم ڈاکٹر صاحب نے پیش کی تھی اس کا حاصل یہ تھا کہ مسلک کے اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے اسلامی ملک میں پرسنل لاء کی حد تک تمام مسلمانوں کو آزادی ہونی چاہئے۔ اگر کسی ایک ملک میں بسنے والے مختلف مسالک میں منقسم ہیں، مثلاً حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور فقہ جعفریہ کے متبعین اگر کسی ایک ہی ملک میں رہتے ہوں تو ان سب کو پرسنل لاء میں کامل آزادی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے اپنے مسلک پر بلا روک ٹوک عمل کر سکیں، لیکن پبلک لاء کا تعین وہاں کے رہنے والوں کی اکثریت کی بنیاد پر کیا جانا چاہئے۔ اگر اکثریت احناف کی ہو تو فقہ حنفی کو ریاست کا مسلک شمار کیا جائے اور اگر غالب اکثریت کسی اور مسلک کے ماننے والوں کی ہو تو اس مسلک کو وہ حیثیت دی جائے۔ دیگر مسالک کے متبعین کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ ملت کے مجموعی مفاد کے پیش نظر پبلک لاء کے معاملے میں اس مسلک کی برتری کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کریں۔ یوں بھی نظری طور پر ہم سب یہ مانتے ہیں کہ ان مسالک خمسہ میں سے کوئی بھی مسلک دائرہ اسلام سے باہر نہیں ہے۔ پبلک لاء کے ضمن میں جس مسلک کو بھی اختیار کیا جائے گا اس کے ذریعے دین اسلام ہی کی نمائندگی ہو گی۔

اس تناظر میں امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان میں بسنے والے شیعہ بھائیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ حقیقت پسندی اور انصاف شعاری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پاکستان میں وہی حیثیت قبول کریں جو موجودہ ایران میں سنیوں کو دی گئی ہے۔ ایران میں چونکہ اہل تشیع غالب اکثریت میں ہیں لہٰذا انقلاب کے بعد وہاں فقہ جعفریہ کو ملکی قانون کا درجہ دیا گیا کہ معقولیت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ جبکہ پاکستانی مسلمانوں کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے۔ یہاں فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ لے کر کھڑے ہونے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اہل تشیع اگر فی الواقع پاکستان میں غلبہ اسلام کے آرزو مند ہیں تو انہیں اس بات کو ذہناً قبول کرتے ہوئے کہ غلبہ اسلام کی صورت میں یہاں ملکی قانون کے طور پر فقہ حنفی کا نفاذ ہو گا، دین کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد میں اپنے سنی بھائیوں کا ساتھ دینا چاہئے اور انہیں اس پر قناعت کرنی چاہئے کہ پرسنل لاء کے معاملے میں انہیں اپنے مسلک پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل رہے گی ... امیر تنظیم نے شیعہ سنی مفاہمت کو عملی شکل دینے کی خاطر اہل تشیع کی چوٹی کی قیادت سے ملاقات کر کے ان پر اپنا موقف واضح کیا اور اس پر انہیں دعوت فکر دی، لیکن تاحال ان کی جانب سے کوئی واضح مثبت موقف سامنے نہیں آیا۔

لیکن چند روز قبل ہم اس حوالے سے ایک خوشگوار حیرت سے شاد کام ہوئے جب ایران سے آئے ہوئے ایک عالم دین محمد واعظ زادہ الخراسانی، جو جماعت اسلامی کے اجتماع میں شرکت کے لئے آئے ہوئے ایرانی وفد کی قیادت کر رہے تھے، امیر تنظیم اسلامی سے قرآن اکیڈمی میں ملاقات کی اور پھر امیر تنظیم کی دعوت پر قرآن آڈیٹوریم میں طلبہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں امیر تنظیم کے موقف کی تائید کی۔ انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ غلبہ اسلام تمام مسلمانوں کی اولین ترجیح ہونا چاہئے اور ہر اسلامی ملک میں اکثریتی فقہ کو قانون ملکی کا درجہ دیا جانا چاہئے۔ گویا ع "متفق گر

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کراچی میں پندرہ افراد کا قتل... پردۂ غیب میں کون ہے؟

لوگ دہشت گردوں کے نہیں' حکومتی اداروں کے یرغمالی ہیں!!

ہم لوگ بعض اعتبارات سے ہندوؤں سے بڑھ کر بت پرست واقع ہوئے ہیں!!

صوبوں کا قیام اشد ضروری ہے' لیکن....!!

اس ہولناک سانحے پر جناب نجیب صدیقی کے تاثرات جو اہل کراچی کی اکثریت کی ترجمانی بھی کرتے ہیں

کراچی میں پندرہ آدمیوں کے اجتماعی قتل پر جو ردعمل سامنے آیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ حل کی طرف جا رہا ہے یا مزید الجھ رہا ہے۔

پارلیمانی نظام حکومت میں ملک کی انتہائی ذمہ دار شخصیت وزیراعظم ہوتا ہے' اس کا بیان ہے کہ یہ پنجابیوں کا قتل ہوا ہے۔ اسی قتل کا سہارا لے کر حکومت کے گماشتوں نے لاہور میں جلوس نکالا اور اشتعال انگیزی بھی کی۔ حکومت اس مسئلے کو کس رخ پر لے جانا چاہتی ہے' گزشتہ دو سال کی تاریخ کی گواہی شامل کر لی جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔ گزشتہ سال شیعہ سنی فساد کرانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ مساجد اور امام بارگاہوں پر حملے ہوئے' اس کے باوجود دونوں گروہ پر سکون رہے۔ گویا ساری منصوبہ سازوں کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ بلوچوں کو ابھارنے کی کوشش کی گئی اور تصادم کے دروازے تک پہنچا دیا گیا مگر دونوں گروہ اس سازش کو سمجھ گئے اور مسئلہ رفع دفع ہو گیا۔ کراچی میں پٹھان آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں' ان کے بھی آٹھ آدمی ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور اس چنگاری کو پھونک مار کر دھکانے کی پوری کوشش کی گئی مگر پٹھانوں کے سنجیدہ لیڈروں نے حالات کے رخ کو سمجھتے ہوئے دانشمندی کی راہ اپنائی اور اس شہر کو لسانی فساد سے بچا لیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا فساد کرانا چاہتے ہیں۔ پس پردہ ان کے کیا مقاصد ہیں' یہ بات بھی معمہ نہیں ہے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ شہر ایک تنظیم کا یرغمال بنا ہوا ہے لہٰذا ہم اسے ان یرغمالیوں کے ہاتھوں سے نکالنا چاہتے ہیں' وہ ہاتھ ہی توڑ دینا چاہتے ہیں جس نے انہیں یرغمال بنایا ہوا ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ شہریوں نے آپ سے کب فریاد کی ہے کہ وہ یرغمال بن گئے ہیں اور رہائی چاہتے ہیں!! شہری تو اب یرغمال بنے ہیں۔ دو سال سے شدید عذاب میں مبتلا ہیں۔ بڑے بڑے علاقوں کا محاصرہ کیا جاتا ہے اور ذلت کے ساتھ ایک میدان میں جمع کیا جاتا ہے' شناخت پریڈ ہوتی ہے اور کچھ لوگ ان میں سے چن لئے جاتے ہیں ---- یرغمالی کون ہیں؟

پندرہ افراد کے قتل پر میاں نواز شریف کا بیان آیا ہے کہ یہ پندرہ پاکستانیوں کا قتل ہے۔ کراچی کے باسی جناب پروفیسر غفور احمد صاحب نے کہا ہے کہ یہ سفاکی حکومت کی ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ بار بار کہہ چکے ہیں کہ حکومت وقت نوجوانوں کے قتل پر تلی بیٹھی ہے۔ اس شہر کو اجاڑا جا رہا ہے۔ شاید اس کے منصوبے میں سے اور شاید بے نظیر کا کراچی پیکج اسی کا نام ہے!! کراچی کے نوجوانوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر جمہوریت کا جشن منایا جا رہا ہے۔ کراچی میں جس قسم کی جمہوریت ہے افسوس کہ ہٹلر کے ذہن میں نہ آ سکی ورنہ وہ بدنام نہ ہوتا بلکہ مخالفین کو پولیس مقابلے میں ٹھکانے لگا کر تاریخ میں سرخرو رہتا۔

ہندوستان کی تاریخ میں جنرل ڈائر کا نام نفرت اور حقارت سے لیا جاتا ہے' جس نے امرتسر کے جلیانوالے باغ میں انسانوں کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ اس وقت تک قتل کی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی ورنہ آج اس کے منہ پر بھی کالک نہ ہوتی۔

جہاں تک کراچی کو یرغمالیوں سے رہا کرانے کا تعلق ہے جس کا بار بار اعلان مرکز سے بھی ہوتا رہا ہے' وزیر داخلہ نے حساب لگا کر بتا دیا ہے کہ اب گنتی کے چند ہزار رہ گئے ہیں' کچھ کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا ہے' کچھ گرفتار ہو گئے اور کچھ بھاگ گئے ہیں۔ وزیر داخلہ صاحب شاید حساب کتاب میں کمزور ہیں۔ جن ہاتھوں میں کراچی یرغمال بنا ہوا ہے ان کی تعداد معلوم کرنی ہو تو گزشتہ دور میں جو ووٹ ڈالے گئے تھے انہیں گن لیجئے' آپ کو ہاتھوں کی تعداد معلوم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ سارے ہاتھ یرغمال بنانے میں معاون ہیں۔ ان سب ہاتھوں کو توڑنے کے لئے آپ کے سپاہی یا فورسز ناکافی ہیں۔ مجھ جیسا آدمی تو اپنے دونوں ہاتھ پیش کر دے گا مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے ہاتھ کے بدلے دوسرے کا سر توڑ دیں گے' ان ہاتھوں کو قلم کرنے کے لئے یورپ یا امریکہ سے کوئی مشین منگوانی پڑے گی۔ ویسے ہمارے وزیر داخلہ صاحب کافی تجربہ کار ہیں۔ اپنوں سے جنگ لڑنے کا کامیاب تجربہ رکھتے ہیں۔ تاریخ نے اب تک دو بابر پیدا کئے ہیں۔ ایک جس نے دشمنوں سے جنگ لڑی اور دوسرا اپنوں سے برسرپیکار ہے۔

"تاریخ نے اب تک دو بابر پیدا کئے ہیں' ایک جس نے دشمنوں سے جنگ لڑی اور دوسرا اپنوں سے برسرپیکار ہے"

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!!

عرب ممالک امریکہ کے پوری طرح وفادار ہیں

مسلمانوں کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھانا مغرب کی پالیسی کا اہم جز ہے

مسلمان ممالک کیلئے امریکہ کا آئندہ لائحہ عمل جس کی تفصیلات امریکہ سے ایک دردمند بھائی کے ذریعے موصول ہوئی ہیں

مرسلہ : پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

درج ذیل وثیقہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ایک دردمند بھائی نے ارسال کیا تھا جو امریکی قومی مجلس امن کے فیصلہ پر مبنی ہے' جو اس نے ۱۶ مارچ ۱۹۹۱ء کو وائس آف امریکہ نے نشر کیا۔ اس میں جدید امریکی عالمی نظام کے اہم نقاط کا بیان ہے۔ ہم اسے روزنامہ "جنگ" کے شکریئے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

۱ ... مستقبل میں قیام امن کے نظام میں دیگر ممالک مثلاً فرانس' برطانیہ' اٹلی اور روس کو شامل کیا جانا چاہئے۔

۲ ... ایران اور ترکی ایسے غیر عربی ممالک کو ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار کیا جانا چاہئے جنہوں نے ہمارے ساتھ مل کر عراق کے خلاف جنگ لڑی مثلاً خلیجی ریاستیں' مصر' شام اور مراکش۔

۳ ... ایران اور عراق میں ہونے والے واقعات کے پیش نظر ہماری مستقبل میں سیاست یہ ہوگی کہ ایک ایسی فوج تیار کی جائے یا موجود رکھی جائے جو کسی بھی دوسری فوجی طاقت کا مقابلہ کر سکے' اس طرح اس منطقہ (مشرق وسطیٰ) میں طاقت کا توازن بھی قائم رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ کسی عرب ریاست یا ترکی یا ایران یا ایتھوپیا (حبشہ) کو (علاقہ کا پولیس مین بنا کر اسے یہ اجازت بھی دی جائے کہ وہ) امریکی مفادات کے لئے خطرہ بن سکے۔

۴ ... خلیجی ریاستوں کی دفاعی طاقت (نہ کہ جنگی صلاحیت) کو بہتر بنایا جائے اور یہاں فوجی خدمات کو لازمی بنایا جائے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ان ریاستوں کے ہمسایہ ممالک میں سے کسی کو بھی فوجی اعتبار سے اس قدر طاقتور نہ بننے دیا جائے کہ وہ ان پر حملہ آور ہو سکے۔

۵ ... جارحانہ اور مکمل تباہ کن جنگی ساز و سامان کی فروخت عربی اور اسلامی ممالک کے لئے بند کر دی جائے۔

۶ ... اگر کسی خاص ضرورت کے تحت اس (مذکورہ بالا) قسم کا اسلحہ ان ممالک کو فروخت کرنا ہی پڑے تو درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا ہوگا۔

(۱) ایسا اسلحہ زیادہ مقدار میں نہ دیا جائے۔

(۲) اس قسم کا اسلحہ نہ دیا جائے جو تیزی کے ساتھ حرکت میں لایا جا سکے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔

(۳) فاضل پرزہ جات پوری مقدار میں نہ دیئے جائیں۔

(۴) اس اسلحہ کا سودا پانچ عرب ریاستوں (غالباً سعودی عرب' عرب امارات' شام' مصر اور مراکش) کی نگرانی میں کیا جائے۔

(۵) بعض مخصوص اقسام کا اسلحہ فروخت نہ کیا جائے بلکہ کرایہ پر دیا جائے۔

۷ ... شام' مصر اور بعض دوسری چھوٹی غیر عرب ریاستوں مثلاً ایران' ترکی اور ایتھوپیا کی معمولی نمائندگی کے اشتراک سے ایک مشترکہ امن فوج تیار کی جائے۔

۸ ... خلیجی ریاستوں کی دولت ..... جو ان پر حملوں کا سبب بنی ہوئی ہے ..... کی مناسب تقسیم ایک بینک برائے تعمیر کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی مگر اس بینک کی اصل پالیسی امریکہ' برطانیہ اور فرانس وضع کریں گے۔ اس بینک کی نمایاں ترجیحات یہ ہوں گی :

(۱) مشترکہ امن فوج کا کنٹرول سنبھالنا۔

(۲) ایسے ممالک میں بڑے منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے لئے فنڈ مہیا کرنا جو (مذکورہ بالا) مشترکہ فوج کے معاون ہوں مثلاً شام۔

(۳) اس طرح ان بعض غیر عرب ممالک میں ایسے منصوبوں کی تکمیل کے لئے فنڈات مہیا کرنا جو اس منطقہ میں امن کے لئے بڑا رول ادا کر سکتے ہیں مثلاً ایران' ترکی اور حبشہ۔

(۴) بعض غیر اہم اور غریب حکومتوں مثلاً یمن' تیونس اور سوڈان کی مالی معاونت کرنا' البتہ ان حکومتوں کی اس طرح مدد کرتے وقت ان باتوں کو زیر غور رکھنا ہوگا :

(ا) یہ مالی مدد صرف معمولی قسم کی تعمیر و ترقی کے لئے ہو۔

(ب) اس کے بدلے ان سے مضبوط تعلقات کی استواری کی توقع کرنا۔

(ج) اس مالی مدد کا مقصد ان حکومتوں سے امریکی پالیسی کی ہمنوائی کرانا ہوگا۔

۹ ... تمام عرب ملکوں کے ایسے حکومتی نظاموں کو تبدیل کرنا جو امریکی پالیسی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں' اس منصوبہ کی بعض تفصیلات یوں ہوں گی :

ا .... خلیجی ریاستیں

ان ریاستوں کے حکومتی نظام میں ردوبدل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ امریکی پالیسی کی پرجوش حامی رہی ہیں اور رہیں گی' ان کے اس حکومتی

نظام کو باقی رکھنا ہی امریکی مفادات کا تحفظ ہے۔ البتہ یہ کوششیں جاری رکھی جائیں کہ ان ریاستوں میں زمام اقتدار ایسے افراد کے ہاتھوں میں آئے جو مغرب کے تعلیم یافتہ ہیں اور ایسی کوششیں بھی کی جائیں جن کی بدولت ان ریاستوں کی مذہبی ثقافت کو بدل دیا جائے۔

ب.... دیگر ممالک

۱ ۔ شام : شام کے حکمران حافظ الاسد ہمیں قبول ہیں' انہیں اس منطقہ میں کام کرنے کا موقع دیا جانا چاہئے۔ شام کو ترقی کے اس مقام پر لے جانا چاہئے جو حافظ الاسد کو اس خطہ کا مرد آہن بنا سکے کیونکہ انہوں نے (عراق کے خلاف جنگ میں) عملاً ثابت کر دیا ہے کہ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۲ ۔ مصر : اگرچہ مصر کی موجودہ قیادت نے (امریکی پالیسی کے اتباع میں) صحیح اور قابل قبول رویہ اختیار کیا لیکن یہ حکومت مصری رائے عامہ کو کنٹرول نہیں کر سکتی لہٰذا ہمیں اس کے بارے میں جدید خطوط پر سوچنا ہوگا۔ دراصل جمال عبدالناصر اور انور السادات کے دور میں آزادی رائے پر پہرہ لگا دیا گیا تھا جس کے جمہوریت پر منفی اثرات ظاہر ہوئے' اب ضروری ہے کہ مصر میں جمہوریت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جانا چاہئے تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے اور اسلامیین (بنیاد پرستوں) کو راہ سے ہٹانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

۳ ۔ فلسطین اور اسلامی تحریکات : اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنے اور فلسطین کے قبضہ پر مسلمانوں کے (دینی' اخلاقی اور نفسیاتی) دباؤ کو کم کرنے کے لئے ان خطوط پر عمل پیرا ہونا ہوگا :

☆.... مسلمانوں کو ان کے فروعی اختلافات میں الجھا کر ایک دوسرے سے لڑانا تاکہ وہ اپنی طاقت کا آپ مقابلہ کرتے رہیں' جیسے مصر کے محمد الغزالی نے اسلام میں عورت کے مقام کے موضوع کو چھیڑ کر باہمی منافرت کی جنگ کو بھڑکایا۔

☆.... وہ خلیجی ریاستیں جو اسلامی شریعت کے نفاذ پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہیں یا اس کے نفاذ کے بارے میں غور کر رہی ہیں' ان کی حکومتوں کو تبدیل کرنا' جب کوئی حکومت اسلامی شریعت کا نفاذ کرے اس کے خاتمہ کے لئے پوری کوشش کرنا مثلاً سعودی عرب میں شرعی حدود کا نفاذ ہے اس کے لئے ان کے بعض شیوخ کو ورغلانا اور ان کی سرگرمیوں کو معطل کرنا چاہئے۔ اس طرح تمام اسلامی تحریکات اور مظاہر پر کاری ضرب لگانا ضروری ہے۔

☆.... جہاں اسلامی ذہن رکھنے والی حکومتوں کے بدلنے سے ایسے شرعی قوانین سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا وہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہوگی کہ وہ علماء اسلام جو رائے عامہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ان کے خیالات کی عوام تک رسائی میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہوں گی۔

☆.... حساس قسم کے حکومتی اداروں میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کو ملازمت کے مواقع نہیں ملنا چاہئے۔ یہ پالیسی صرف خلیجی ریاستوں تک ہی محدود نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرہ کار تمام اسلامی ریاستوں تک بڑھانا ہوگا۔ اسلامی فکر کو آگے بڑھانے والوں کو تعلیم و تربیت اور ابلاغ عامہ کے ذریعے اپنے خیالات عوام الناس تک پہنچانے سے روکنا ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کی بدولت اسلام کی ترویج و ترقی کے لئے کام کرنے والوں کی رائے عامہ کو متاثر کرنے سے روکا جا سکتا ہے مثلاً عبدالمعز' عبدالستار اور یوسف القرضاوی نے انہی ذرائع (تعلیم و تربیت اور ابلاغ عامہ) سے عوام الناس میں پذیرائی پائی۔ اسی طرح بعض عراقی کویت کی شمولیت حاصل کر کے طاقت ور بن گئے اور اسلامی فکر کی قیادت ان کے ہاتھ آ گئی۔ اسی طرح سعودی عرب میں مناع القطان نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

☆.... اسلامیین کو (ان کے اپنے ممالک میں بھی) اقتصادی اور اجتماعی معاملات میں نمایاں مقام پیدا کرنے سے باز رکھنا ہوگا ورنہ وہ ان کے توسط سے اپنے ممالک سے باہر بھی اثر انداز ہوں گے۔

۱۰ ... بہت ہی قابل توجہ معاملہ عرب اور مسلمان ممالک سے افرادی قوت کا خلیجی ریاستوں میں آنے کا ہے اس کا روکنا نہایت ضروری ہے۔ ان کے مقابل افرادی قوت کا سری لنکا' فلپائن اور تھائی لینڈ سے لانا ضروری ہے کیونکہ ان ممالک سے لائی گئی غیر مسلم افرادی قوت اسلامی اعتقادات اور اقدار پر منفی اثرات چھوڑے گی۔ اگر ان تین ملکوں کی افرادی قوت ضرورت کا معیار یا مقدار پوری کرنے سے قاصر ہو اور دیگر ممالک (اسلامیہ اور عربیہ) سے لوگ منگوانا ہی پڑیں تو پھر یہ ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان یا بنگلہ دیش سے نہ ہوں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ دیگر (غیر مسلم) ممالک سے رابطہ رکھا جائے (تاکہ بوقت ضرورت وہاں سے افراد بلائے جا سکیں)

۱۱ ... ضروری ہو گیا ہے کہ (مسلم ممالک کے) نظام تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کیا جائے اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا وقت بڑھایا جائے۔

۱۲ ... اسلامی اور دینی جماعتوں مثلاً سلفی اور اخوانی کے مابین اختلافات کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں زیادہ بڑھایا جائے۔

۱۳ ... اسلامی فکر و کردار رکھنے والی حکومتوں مثلاً پاکستان اور سوڈان کو پسماندگی اور مشکلات کا شکار رہنے دیا جائے۔OO

بقیہ : اخبارات سے اخبارات تک

جو بھی صلاحیت تھی میں نے اس کے مطابق اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے"۔

مسز ڈی ہنزل نے خاص طور پر مسٹر متراں جیسے شخص کے ساتھ جنہیں اللہ اور آخرت پر کوئی یقین نہیں' تبادلہ خیالات کے بعد یہ سمجھا ہے کہ ضروری نہیں کہ مرنے والے شخص کو مذہب سے ہی آسانی نصیب ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں نے دو ایسے شخص بھی مرتے دیکھے جو مذہبی پیشوا تھے اور بڑی بے چینی سے انہوں نے دم دیا۔ محض مذہب مرتے وقت کام نہیں آتا البتہ زندگی میں کیا کچھ ہو تو وہ ضرور مدد دیتا ہے۔ میں نے اکثر دیکھا کہ مذہبی آدمی آخری لمحے یقین کی دولت سے محروم گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے تو جو سبق سیکھا ہے اور جو دوسروں کو بھی بتانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ صرف حال کا سوچیں۔ ابھی میں آپ سے باتیں کر رہی ہوں' تھوڑی دیر بعد بچوں کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔ میرا مستقبل کا پروگرام اس سے آگے کا نہیں ہوتا۔OO

(بشکریہ : دی گارڈین نیوز سروس)

اگلے شمارے میں

☆ امریکہ اور برطانیہ کے دورے سے واپسی پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطاب جمعہ میں بعض اہم مضامین اور مقالات کے حوالے سے امریکہ میں یہودیوں کے خلاف عیسائیوں کے ردعمل پر روشنی ڈالی تھی۔ جن مضامین کا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں دیا تھا ان کا اردو میں ترجمہ ان شاء اللہ اگلے شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

☆ اس کے علاوہ ایفرو امریکی ممتاز مسلمان راہنما جناب امام جمیل الامین صاحب اور امام عیسیٰ عبدالکریم سے ندائے خلافت کا انٹرویو بھی شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

مسخ شدہ تصور دین کا کرشمہ :

صبح کے وقت تلاوت اور بقیہ تمام دن گانوں کی گونج

مبلغین کے قول و فعل کے تضاد نے دعوت کو بے اثر بنا دیا ہے

دین کا کام کرنے والے اسوۂ رسول سے رہنمائی کیوں حاصل نہیں کرتے؟

میم سین' کراچی

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ و بلوچستان کے خبرنامے کے شمارہ نمبر (جولائی۔ اگست ۹۵ء) میں یہ جاننے کے لئے کہ رفقاء خبرنامہ سے کس قدر دلچسپی رکھتے ہیں ان سے ایک سوال کیا گیا تھا کہ "آپ کو اکثر بسوں میں سفر کے دوران ریکارڈنگ کی صورت میں بے ہنگم شور سے واسطہ پڑا ہو گا۔ لیکن جب بھی بس کسی مزار کے قریب سے گزرتی ہے تو ڈرائیور حضرات ریکارڈنگ فوراً بند کر دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس نہ تو انہیں ٹریفک پولیس کا خوف ہوتا ہے اور نہ مسافروں کی تکلیف کا احساس۔ آخر ایسا کیوں ہے۔" اس سوال کے ہمیں متعدد جواب موصول ہوئے۔ کراچی سے ہمارے ایک رفیق نے لکھا۔

"آپ کی جانب سے کئے جانے والے سوال کا جواب کچھ یوں سمجھ میں آیا کہ یہ ڈرائیور حضرات شاید یہ سمجھتے ہیں کہ گانے سننا اللہ کو اتنا ناپسند نہیں ہے جتنا کہ ولی اللہ کو ناپسند ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ کو گانے سننا پسند ہوتا تو اللہ ہر جگہ موجود ہے لہٰذا ڈرائیور حضرات ہر جگہ گانے سننے سے اجتناب کرتے۔ ویسے بھی اگر اللہ ناراض ہو گیا تو ولی اللہ اسے منالیں گے۔ لیکن اگر ولی اللہ ناراض ہو گئے تو آخرت میں کون سفارش کرے گا اور کون بخشوائے گا۔ اس لئے ڈرائیور حضرات مزار کے قریب ریکارڈنگ بند کر دیتے ہیں' لیکن افسوس کا مقام ہے کہ وہ اس بات کو بھول چکے ہیں جو اقبالؒ نے کچھ یوں کہی ہے کہ ۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے"

حیدر آباد سے ہمارے ایک رفیق نے لکھا کہ :

"جناب عرض یہ ہے کہ دراصل بس ڈرائیور حضرات کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ مزار والے حضرات کہیں ناراض ہو کر اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ کر دیں۔"

دادو سے ہمارے ایک رفیق نے لکھا کہ :

"ڈرائیور حضرات کا یہ رویہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو خدا کا خوف کم اور مزاروں کا خوف زیادہ ہے اور حکومت کے ذمہ دار نااہل اور راشی ہیں"۔

اب میں آپ کو وہ واقعہ سناتا ہوں جو میرے ساتھ گزرا۔ دفتر سے واپسی پر ویگن میں سوار ہوا تو حسب معمول ریکارڈنگ کے شور نے میرا استقبال کیا۔ میں بھی کہاں ماننے والا تھا۔ جیب سے کاغذ کا ٹکڑا

> **"یہ ڈرائیور حضرات شاید یہ سمجھتے ہیں کہ گانے سننا اللہ کو اتنا ناپسند نہیں ہے جتنا کہ ولی اللہ کو ناپسند ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ کو گانے سننا ناپسند ہوتا تو اللہ ہر جگہ موجود ہے لہٰذا ڈرائیور حضرات ہر جگہ گانے سننے سے اجتناب کرتے"**

نکالا جس پر لکھا تھا۔

"جناب ڈرائیور صاحب السلام علیکم!

میں اللہ تعالیٰ کا حکم آپ تک پہنچانے پر مجبور ہوں کہ مجھے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل و احسان کا اور رشتہ داروں کو (مال) دینے کا اور بے حیائی اور برائی کو روکنے کا"۔

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"بے شک وہ (شیطان) تمہیں حکم دیتا ہے کہ برائی کا اور بے حیائی کی باتوں کا"۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ گانوں کی ریکارڈنگ کے ذریعہ آپ اللہ کا حکم مان رہے ہیں یا شیطان کا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بدلے میں جنت کے باغات ہیں اور شیطان کی پیروی میں جہنم کی آگ۔ اللہ کا خوف کریں اور ریکارڈنگ بند کریں"۔

میں نے کنڈیکٹر کو بلایا اور اس سے کہا کہ یہ رقعہ اپنے ڈرائیور صاحب کو دے دو۔ پہلے تو خود اس نے اسے پڑھا بعد ازاں اس نے اسے ڈرائیور کو دے دیا۔ ڈرائیور نے رقعہ پڑھا اور وہیں ایک کنارے ڈال دیا۔ ریکارڈنگ کا سلسلہ بہرحال جاری رہا۔ لیکن جب اس کی گاڑی عبداللہ شاہ غازی کے مزار کے پاس پہنچی تو اس نے فوراً ٹیپ بند کر دیا۔ البتہ کلفٹن سے آگے بڑھتے ہی یہ سلسلہ دوبارہ زور شور کے ساتھ شروع ہو گیا۔

میں نہیں مانتا کہ کوئی گیا گزرا مسلمان بھی بات کو شعوری طور پر سمجھ لے تو وہ اللہ سے سرکشی اختیار کر سکتا ہے۔ اب تین باتوں میں سے کوئی ایک ہی ممکن ہے۔

(۱) ہماری تبلیغ میں اثر باقی نہیں رہا۔ یہ بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔ آج کل مبلغین کا جو حال ہے (الا ماشاء اللہ) اس کا یہی نتیجہ برآمد ہونا ہے۔ اس کی وجہ پر جب میں نے غور کیا ہے تو میرے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

کراچی کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لئے

دشمن آج بھی ۷۱ء کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں

کچھ لوگ آج بھی مجیب، بھٹو اور یحییٰ کا کردار ادا کر رہے ہیں

۷۱ء کی طرح پریس آج بھی بحران کو مزید بڑھا رہا ہے

کراچی کی صورت حال کے بارے میں کموڈور (ر) طارق مجید کا تجزیہ

زیر نظر مضمون میں ہم کراچی کے بحران سے متعلق چند مسائل پر بات کریں گے، جنہوں نے ملک کو سخت بد نظمی اور اخلاقی ابتری کی حالت میں دھکیل دیا ہے۔ حسب توقع اور دشمن کے منصوبہ کے مطابق، کراچی اور حیدر آباد میں بحران اور زیادہ بھیانک شکل اختیار کر چکا ہے۔ یہ امر واضح ہو جانا چاہئے کہ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے، علیحدگی پسندوں کی ایک مکمل بغاوت ہے۔ ۹ مئی کو سی این این نے اس بحران کے کلیدی کردار الطاف حسین کا تلخ انٹرویو ٹیلی کاسٹ کیا۔ دانشوروں نے الطاف حسین کے اس انٹرویو کا تجزیہ کیا ہو گا۔ ۹ مئی کو ۹ ذوالحج تھا--- مسلم امہ کے اتحاد کا دن --- کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ پاکستان کے کسی بڑے اخبار نے اس باغیانہ اور اشتعال انگیز انٹرویو کو زیادہ نمایاں نہیں کیا۔ اس کے برعکس برطانوی انٹیلی جنس کی حفاظت میں لندن میں بیٹھے اس علیحدگی پسند ایجنٹ کے لئے واجب الاحترام اور کھرے ہونے کی فضا پیدا کرنے کے سے انداز میں پیش کیا گیا۔ کیا یہ بات بھی باعث حیرت نہیں ہے کہ ایک طرف تو الطاف حسین سختی سے، کراچی میں جاری دہشت گردی اور بدامنی میں ملوث ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں پریس سے بھی حمایت حاصل کرتے اور دوسری طرف یہ الٹی میٹم اور وارننگ دیتے ہیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو وہ فسادات میں اضافہ کرا دیں گے اور پھر ایسا ہوتا بھی ہے۔ اس کے باوجود وہ ہمدردیاں اور شہرت حاصل کر رہے ہیں اور پریس تاحال انہیں نہ ختم ہونے والی دہشت گردی کے لئے مورد الزام ٹھہرانے سے پرہیز کر رہا ہے۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان ٹوٹنے اور ملک کے مشرقی حصے کو کھو دینے پر ہمیں بطور قوم اپنی غلطی تسلیم کر لینا چاہئے تھی، لیکن ہماری اصل غلطی یہ تھی کہ ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ اصل دشمن کون تھا اور اس نے کس طرح یہ تباہی ہم پر مسلط کی۔ یہ یقینی طور پر دشمن کے منصوبے کا حصہ تھا کہ پاکستان کی مقتدر اسٹیبلشمنٹ کو اس تباہی کو سمجھنے اور اس کا تجزیہ کرنے سے باز رکھا جانا چاہئے۔ آج بھی وہی دشمن ہے یعنی عالمی صیہونی جیوری، (زنجری) جو کہ عام طور پر عالمی صیہونی انجمن کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اور وہی اس

> **"یہ ملک کی وزیر اعظم، لیڈر آف دی اپوزیشن اور پریس مالکان کی مشترکہ کوششیں ہیں، جنہوں نے الطاف حسین کو باقاعدہ "قائد مہاجرین" بنا دیا ہے"**

صیہونی جیوری کے ساتھی یعنی بھارت، امریکہ، برطانیہ اور اسلام اور پاکستان کے باقی دشمن، جو اس تنظیم کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے ہیں اور مقاصد بھی وہی ہیں یعنی ملک سے کراچی کی علیحدگی اور پاکستان کا انتشار اور اس دفعہ بھی ان کے ہتھکنڈے اور حکمت عملیاں وہی ہیں۔

آج بھی یہاں کچھ اداکار موجود ہیں جو علیحدگی پسندوں کی سرکشی کے راہنما مجیب الرحمٰن، اپوزیشن لیڈر ذوالفقار علی بھٹو اور ہیڈ آف دی گورنمنٹ یحییٰ خان کے کردار ادا کر رہے ہیں۔ تھوڑی سی کمی بیشی ہو سکتی ہے، یا کردار ایک دوسرے سے تبدیل کر دیئے گئے ہیں، لیکن مماثلت حیرت انگیز ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں ذوالفقار علی بھٹو دو کردار ادا کر رہے تھے، مجیب الرحمٰن کے خلاف لیڈر آف دی اپوزیشن کے علاوہ یحییٰ کے قریبی ترین سیاسی مشیر ہونے کے ناطے وہ حکومتی پالیسیوں کو بھی گائیڈ کر رہے تھے۔ موجودہ سیاسی منظر میں حکومتی پالیسیوں کو گائیڈ کرنے والے ظاہری طور پر علیحدگی پسند لیڈر کی مخالفت کر رہے ہیں، جبکہ لیڈر آف دی اپوزیشن ایک ایسی لابی بنا رہے ہیں جس کے ذمے علیحدگی پسند شخصیت کو معقول ثابت کرنے اور ان کی حمایت کرنے کا کردار ہے۔ یہ کردار ۱۹۷۱ء میں اہم سیاسی راہنماؤں کے ایک گروہ نے ادا کیا تھا، یہ بات غیر ضروری ہے کہ آیا ان تمام کرداروں نے دانستہ یا نادانستہ، زنجری کے آلہ کار کے طور پر کام کیا۔

۱۹۷۰-۷۱ء میں بحران کو بڑھانے اور مجیب الرحمٰن کو ہیرو بنانے کے لئے پاکستان میں پریس نے اہم کردار ادا کیا۔ بالکل وہی چیز اب ہو رہی ہے، انتظامیہ اور فوج میں موجود محب وطن اشخاص نہیں جانتے کہ پریس کو کیسے سازش کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اسی لئے اس کے سدباب کے لئے کوئی کوشش نہیں کر رہے۔ اس وقت پریس کا ایک حصہ الطاف حسین

کو مضبوط کرنے اور مقبول بنانے اور گروہی تعصبات کو شدید کرنے اور مجموعی صورت حال کو بدترین بنانے میں پوری طرح مصروف کار ہے' فوجی حکام اب اس امر سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں' لیکن غیر ذمہ دار پریس کی طرف سے پہنچائے جانے والے نقصان کو روکنے کے لئے ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ دی نیوز ۵ جون ۱۹۹۵ء کے شمارے کے پہلے صفحے پر موجود ایک خبر کے مطابق "رینجرز کے چیف نے اخباری نمائندے سے باتیں کرتے ہوئے ان پر دہشت پھیلانے کا الزام عائد کیا" لیکن وہ وہی کچھ تھا' جو وہ کہہ سکتا تھا لیکن پاکستان میں پریس کے کچھ حصے کو صیہونی ایجنٹ ہدایات دے رہے ہیں تاکہ صیہونی سکیم کے مطابق نتائج حاصل کئے جا سکیں۔

یہ ملک کی وزیر اعظم اور لیڈر آف دی اپوزیشن اور پریس مالکان کی مشترکہ کوششیں ہیں' جنہوں نے الطاف حسین کو باقاعدہ "قائد مہاجرین" بنا دیا ہے' اول الذکر دونوں نے یہ کام اپنے سیاسی اعمال اور بیانات کے ذریعے کیا جبکہ آخرالذکر نے اخباری رپورٹوں میں ضرورت کے مطابق رنگ بھر کر یہ سامان مہیا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایم کیو ایم کی رسمی ممبر شپ میں الطاف حسین کے پیروکار کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ جہاں تک اردو بولنے والے مہاجرین کا تعلق ہے تو وہ اس کے اتنے ہی خلاف ہیں جتنے کہ عام شہری۔ پاکستان کے ساتھ ان کی وفاداری اتنی ہی مضبوط ہے جتنی کہ پاکستان کے دیگر عوام کی۔ کراچی کے پاکستان سے علیحدہ کرنے کا منصوبہ ان کے لئے ناقابل تصور ہے۔ لیکن پریس نے لوگوں کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ اردو بولنے والا سارے کا سارا طبقہ الطاف حسین کی پشت پر اس وقت موجود تھا جب اس نے لندن سے وارننگ دی تھی کہ اگر اس کے مطالبے پورے نہ کئے گئے تو کراچی ملک سے ٹوٹ جائے گا۔

۱۹۷۰ء میں صیہونی جیوری نے جو دوسرا اہم آلہ استعمال کیا وہ بذات خود اعلیٰ حکومتی لیڈر تھے۔ یہ آلہ اب دوبارہ زیر استعمال ہے اور اس دفعہ زیادہ مہلک شکل میں ہے۔ عام حالات میں یہ تسلیم کرنا مشکل امر ہوتا ہے کہ حکومت خود ہی ملک تباہ کرنے کے درپے ہے' لیکن صیہونی جیوری نے یہ وسائل اور کاریگری سیکھ لی ہے کہ زیر ہدف ملک میں لوگوں کو کیسے اقتدار میں لایا جائے جو مختلف صورتوں میں اس کی ہدایات پر عمل کریں۔

مشرق وسطیٰ کے معاملات میں مہارت رکھنے والے سی آئی اے کے ایک حکمت کار مائیلز کوپ لینڈ نے ۱۹۹۰ء میں اپنی سوانح عمری میں انکشاف کیا کہ "جمال عبدالناصر کو سی آئی اے نے ہی منتخب کیا اور تربیت دی تھی"۔ درحقیقت انور سادات نے' جو کہ اسی کیٹیگری سے تعلق رکھتا تھا' اپنی سوانح عمری میں بہت پہلے یعنی ۱۹۷۶ء میں اس طرف اشارہ دے دیا تھا۔ ساری زندگی اسرائیل کے مخالف کا بھیس اپنائے رکھنے والے یاسر عرفات نے حال ہی میں ثابت کر دیا ہے کہ کس طرح وہ اسرائیلی مفادات کے لئے کام کرتا رہا ہے۔ یہاں ہماری اعلیٰ قیادت نے گزشتہ اڑھائی سال میں کئی مرتبہ کھلے عام مغرب سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا ہے' حتیٰ کہ مغرب کو مداخلت کی دعوت بھی دی۔ بے نظیر بھٹو نے ۲۵ مئی کو قصور میں ایم کیو ایم کی لیڈر شپ کے لئے بندوق بردار "بزدل چوہے" کا لفظ استعمال کیا' یہ صورتحال کو خراب کرنے کے لئے ایک جانی بوجھی چال تھی تاکہ صیہونی سکیم کے دیگر مقاصد کو بھی زیادہ نمایاں کیا جا سکے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مقصد حاصل کر لیا گیا۔ جہاں تک سابق وزیر اعظم اور موجودہ اپوزیشن لیڈر کا تعلق ہے تو انہوں نے بھی ثابت کیا ہے کہ انہیں پاکستان کے مفادات سے مغرب کے مفادات زیادہ عزیز ہیں۔

> "کیا یہ بات باعث حیرت نہیں ہے کہ ایک طرف تو الطاف حسین سختی سے کراچی میں جاری دہشت گردی اور بدامنی میں ملوث ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں پریس سے بھی حمایت حاصل کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ الٹی میٹم اور وارننگ دیتے ہیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو وہ فسادات میں اضافہ کرا دیں گے"

ایک حالیہ واقعہ سے بھی صیہونی مقاصد کے مطابق کراچی کے بحران کو آگے بڑھانے میں نواز شریف کے کردار کا پتہ چلتا ہے۔ لاہور میں ایک نجی سیاسی اجتماع میں نواز شریف سے ایک صحافی نے پوچھا کہ الطاف حسین کے ساتھ ان کی بات چیت کا حتمی نتیجہ کیا برآمد ہوا۔ نواز شریف کا جواب تھا "الطاف حسین نے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے" صحافی نے پوچھا "پھر آپ اس کا ساتھ کیوں دے رہے ہیں؟" نواز شریف کا پرفریب جواب تھا "ہم اس کا ساتھ اسی لئے دے رہے ہیں تاکہ وہ یہ نہ سوچے کہ ہر کوئی اس کے خلاف ہے۔ لیکن اسے خیال کرنا چاہئے کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں" اس ساری گفتگو کے ڈائیلاگ اردو میں تھے جو کہ متعلقہ صحافی نے ۵ جون کو صاحب مضمون کو بتائے۔

حکومت اور ملک --- ملک کے ساتھ وفاداری اور سیاسی حکمرانوں کے ساتھ وفاداری میں تفریق کرتے ہوئے ہمیں خلط مبحث نہیں کرنا چاہئے۔ حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں جبکہ ملک یقینی طور پر قائم رہتے ہیں۔ ایک دفعہ اگر یہ نکتہ سمجھ میں آ جاتا ہے تو صورتحال کی تبدیلی کے لئے راہ عمل واضح اور نمایاں ہو جائے گی۔ لیکن وقت بہت محدود ہے اگر ضروری اقدامات نہ اٹھائے گئے تو دشمن یہ کھیل جیت جائے گا اور پاکستانی قوم کو ناقابل تصور حد تک خوفناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ کراچی کا مسئلہ پاکستان کو دیگر مسائل سے علیحدہ طور پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ ان سب مسائل کی وجہ سے ملک میں نارمل زندگی تباہ ہو چکی ہے اس لئے تمام امور سے ایک ہی وقت میں نمٹنا ہو گا۔ موجودہ پالیسیاں ملک کو تباہی اور انتشار کی طرف لے جا رہی ہیں اس لئے ان پالیسیوں سے ہٹ کر مختلف پالیسیاں اپنانا ہوں گی۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی کی حکومتوں کی طرف سے عوام کے مجروح شدہ اعتماد کو دوبارہ بحال کرنا ضروری ہو گا۔ نئے دعوؤں اور نئے چہروں پر مبنی فوجی یا سول لیڈر شپ جو درپردہ حالیہ پالیسیوں پر ہی عمل درآمد کرتی رہے' تو اس سے حالات مزید خراب ہو جائیں گے اور آنے والے وقتوں کے لئے آخری بچ جانے والے قومی ادارے یعنی پاکستان کی مسلح افواج کو قطعی طور پر رسوا کر دیں گے۔

حقیقت میں یہ حالات صیہونی جیوری کے لئے نہایت مناسب ہیں اور ممکن ہے کہ زنجری خود ہی یہ "حکومتی تبدیلی" لے آئے' تمام سابقہ تبدیلیوں بشمول لیاقت علی خان کے قتل سے لے کر اب تک آنے والے تمام مارشل لاء اور نام نہاد منتخب حکومت

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

ڈاکٹر اسرار احمد یہودیوں کے ایجنٹ یا ایک حقیقت پسند انسان؟

امیر تنظیم اسلامی نے ہر دور میں بلا خوف و خطر حق بات کہی ہے!

ڈاکٹر اسرار کو یہودی ایجنٹ کہنے والے اپنے گریبانوں میں جھانکیں!

شاہد اسلم' ناظم حلقہ گوجرانوالہ

مسئلہ کشمیر پر امیر تنظیم اسلامی کے موقف کو ہدف تنقید بنانے والوں کے لئے ایک چشم کشا مضمون

جب ایک آواز بہت کمزور تھی مگر جو شخص یہ صدا لگا رہا تھا اللہ نے اسے حقیقت کا شعور اور حالات سے منطقی نتائج اخذ کرنے کی خداداد صلاحیت عطا کی تھی۔ یہ آواز اس وقت بلند ہوئی جب ایک اسلامی انقلابی تحریک اپنے انقلابی طریق سے ہٹ کر انتخابات کا راستہ اختیار کر رہی تھی مگر اس بظاہر کمزور آواز نے زہر ہلاہل کو قند کہنا گوارا نہ کیا اور ان ہزاروں لوگوں کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کیا جن سے اس کی قلبی وابستگی تھی۔ ان کے بگڑتے ہوئے تیور خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور آج دن بدن بگڑتے ہوئے سیاسی حالات و واقعات نے اس شخص کی اس بات "انتخابی نہیں انقلابی سیاست انقلاب کا راستہ ہے" پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

قیام پاکستان کے ربع صدی بعد اہل وطن پر مشرقی پاکستان کے حوالے سے افتاد پڑی تو یہ کمزور آواز پھر صحرائے انسانی میں بھٹکتی پھری اور کہتی رہی کہ وہاں ریفرنڈم کروا دو اور بنگالی بھائیوں کو اعتماد میں لو' مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے' جہاں ہر طرف الوؤں کا ڈیرہ ہو وہاں کوئی بلبل کی بھلا کیوں سنے!۔ ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ "تم ادھر ہم ادھر" کا نعرہ ایک حقیقت بن گیا لیکن اس قوم کی آنکھیں پھر نہ کھلیں۔

۱۹۷۷ء کی نظام مصطفیٰ تحریک کے دوران بھی وہ کمزور آواز "دعوت رجوع الی القرآن" کی سورت میں بلند ہوئی۔ علماء نے کٹر سیکولر لوگوں کے ساتھ مل کر نظام مصطفیٰ کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہا مگر ڈاکٹر اسرار احمد الگ تھلگ رہا اور برملا کہتا رہا کہ یہ نظام مصطفیٰ کی تحریک نہیں ہے بلکہ اینٹی بھٹو تحریک ہے۔ بعض طالبات نے چوڑیاں بھیجیں کہ ڈاکٹر اسرار تم چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤ۔!! وہ مرد حق نے یہ تمام باتیں بڑی ہی خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اپنے ضمیر اور حالات کی اصل حقیقت واضح کر دی۔ اب تو عوام کی عدالت سے بھی یہ فیصلہ مل چکا ہے کہ یہ تحریک نظام مصطفیٰ کے لئے نہ تھی ورنہ علماء بھٹو کے بعد چین سے کیوں بیٹھ گئے حالانکہ اس وقت اسلامی نظام تو برپا نہ ہوا تھا۔!!

۱۹۸۳ء سے وہ مرد حق ہیں سندھ اور بالخصوص کراچی کے حالات پر حکومت اور عوام کو متنبہ کرتا رہا ہے۔ "استحکام پاکستان" اور "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" ایسے موضوعات پر کتابیں لکھ کر سربستہ حقائق سے پردہ اٹھایا۔ اس موضوع پر مختلف شہروں میں سیمینار منعقد کئے کہ ع

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

> "ڈاکٹر اسرار احمد نے کبھی عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا ہے اور نہ ہی کبھی اسلام آباد کے خواب دیکھے ہیں۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے خواب کی تعبیر میں گزشتہ نصف صدی سے کوشاں ہیں"

ہماری سیاست کے سرخیل اور سطحی ذہن رکھنے والے علماء کہتے تھے کہ اس "پراسرار مجذوب" کو کیا ہو گیا ہے کہ برے وقت کی بڑ مار رہا ہے۔ صرف اسے ہی کراچی جلتا ہوا نظر آتا ہے' حالانکہ حالات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔!! سندھ میں امن و امان ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں خون کی بارش ہوتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں!! آج وہی قوم کے ہمدرد اور غم خوار کہتے پھر رہے ہیں کہ کراچی بچاؤ' کراچی بچاؤ!

ستم بالائے ستم کہ اسی حقیقت پسند ڈاکٹر اسرار کو آج انڈیا اور یہود کا ایجنٹ کہا جا رہا ہے جس نے ضیاء الحق کو برملا کہا تھا کہ قوم کی گاڑی کو جمہوریت کی پٹڑی پر ڈال دو ورنہ لاوا پھٹے گا اور سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔ جس نے شوریٰ کی رکنیت کو ایک ماہ بعد ہی یہ کہہ کر ٹھوکر لگا دی تھی کہ میں کسی غیر اسلامی کام میں حاکم وقت کا معاون نہیں بننا چاہتا۔ جسے ٹیلی ویژن سے اس لئے رخصت کر دیا گیا کہ اس نے مغرب زدہ خواتین کی مرضی کا اسلام پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی ساری صلاحیتیں صرف "قرآنی فکر" کو عام کرنے میں لگا دیں تھیں۔ افغانستان کی جنگ جسے اکثریت نے جہاد کہا تھا' وہ حقیقت پسند شخص تمام مجاہدین کے زعماء و قائدین کو کہتا رہا کہ ایک امیر مقرر کر کے جنگ لڑو' کامیاب ہو گے ورنہ جیت کر بھی سب کچھ ہار جاؤ گے' تب بھی لوگوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد خود تو جنگ کرتا نہیں' مشورے مفت میں دیتا ہے۔ آج افغانستان کا حال سب کے سامنے ہے۔ یہ سب باتیں ریکارڈ پر موجود ہیں' مبادا کوئی سمجھے کہ یہ سب فقط لفظوں کی جادوگری ہے۔ یہ سب کچھ اب تاریخ کا حصہ ہے۔

یہی کمزور آواز نواز شریف کو مشورے دیتی رہی کہ مسلم لیگ کو منظم و متحد کرو تاکہ پاکستان میں دو مضبوط سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں اور ملکی سیاست کو استحکام نصیب ہو مگر وہ وزارت عظمیٰ کے نشے میں اس قدر چور تھے کہ اس بظاہر "بے سری آواز" کو بھلا کیونکر سنتے۔ نتیجہ معلوم کہ آج اپنے ہی ٹکڑوں کو

جوڑنے سے فرصت نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار نے کبھی عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا ہے اور نہ ہی کبھی اسلام آباد کے خواب دیکھے ہاں۔ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے خواب کی تعبیر میں گزشتہ نصف صدی سے کوشاں ہیں۔ اب وہ لوگ اسے یہودی ایجنٹ کہہ رہے ہیں جو خود سود کے زور پر پلنے والے سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں۔ جو اسلام لانے کی آس دلا کر کروڑوں روپے ہضم کر چکے ہیں۔ جو واضح طور پر اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں' جو خود دوست اور دشمن کی پہچان بھلا کر ملک دشمنوں سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ آج اس شخص کو ایجنٹ کہہ رہے ہیں کہ جس پر کردار کے حوالے سے آج تک کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔ جس کا قول و فعل ایک ہے' جس نے اپنا لڑکپن' جوانی بڑھاپا بلکہ زندگی کی ایک ایک ساعت اسی دعوت رجوع الی القرآن کے لئے لگا دی ہے اور آج بھی روز اول کی طرح "منہج انقلاب نبوی" کی صدا لگا رہا ہے۔

آج بھی اس حقیقت پسند اور حق گو شخص نے آنے والے خطرات سے بروقت مطلع کر دیا ہے۔ جس تک ان الزام لگانے والوں کی سطحی سوچ کی رسائی نہیں ہے۔ جذبات کے راستے پر چلنے والے کہاں ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لینے والے کی بات کو سننے اور سمجھنے کے لئے تیار ہیں۔

ڈاکٹر اسرار نے کہا ہے کہ امریکہ اور نیو ورلڈ آرڈر (جو درحقیقت یہودیوں کا تیار کردہ ہے) کا پختہ ارادہ ہے کہ وہ کشمیر کو مکمل آزاد کروا کر U.N.O کے حوالے سے اپنے اڈے بنا لیں۔ اسی طرح جہاں "فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے" وہاں انڈیا' چین' ایران' افغانستان اور پاکستان کی رگ جاں بھی کشمیر کی وجہ سے ان کے قبضہ میں ہوگی لہٰذا اس سے پہلے کہ یہ سب کچھ ہو جائے' ہمیں بھارت کے ساتھ خود معاملات طے کرنے چاہیں اور اس سلسلے میں ثالث اقوام متحدہ کی بجائے ایران اور چین کو بنانا چاہئے۔ آزاد کشمیر کبھی بھی متحد نہ تھا لہٰذا اسے پاکستان کا حصہ رہنا چاہئے۔ ہندو اکثریت کے علاقے انڈیا کے پاس اور مقبوضہ وادی کشمیر آزاد حیثیت سے رہے' وہاں انڈیا اور پاکستان اس کے لئے مشترکہ لائحہ عمل بنا لیں۔ یہ ہے وہ بات جسے جذباتیت کا لبادہ اوڑھا کر حقیقت سے فرار حاصل کی جا رہی ہے۔ اگر تو اس نے کہا ہوتا کہ کشمیر انڈیا کو دے دو پھر تو بات واقعی ابجنٹی والی تھی مگر ایک ایسی بات جس میں ہر طرح مسلمانوں کا اور پاکستان کا فائدہ ہے' وہ بھی ہمیں دکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی ہم نے انہیں آئینہ دکھایا تو برا مان گئے!

صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا حالانکہ حضور ﷺ نے باوجود طاقت ہونے کے یہ صلح فرمائی لیکن ہمیں کیوں یاد ہو کہ اسوۂ رسول کو بھلا کر مغرب کی اندھی تقلید میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جس پاکستان کے ساتھ کشمیر کو ملانا چاہتے ہیں وہاں دور دور تک اسلام کا نشان تک نہیں اور نظام کفر و باطل دن بدن مضبوط تر ہو رہا ہے۔

پھر یہ کہ مقبوضہ کشمیر سے ہمیں پانی ملتا ہے اور آزاد ہونے کی صورت میں وہ ہمارا اسلامی پڑوسی ملک ہوگا' شاید وہ ہمارے لئے آئیڈیل اسلامی ریاست بن جائے۔ اس کے برعکس اگر نیو ورلڈ آرڈر کا نفاذ ہوتا ہے تو نہ ہی اسلام آئے گا اور نہ آزادی ملے گی۔ مجاہدین جو خون بہا رہے ہیں اس کا فائدہ بھی امریکی اٹھائیں گے۔ ۱۵ لاکھ افغان بھائیوں کا خون اور نبی ﷺ کی سیرت ہمیں پکار رہی ہے کہ جوش کے ساتھ ساتھ ہوش سے کام لو!!۔ جذبات کے ساتھ ساتھ حکمت کو بھی آزما کر دیکھو۔ کیا افغانستان کی طرح اس کام کو بھی ہم ادھورا چھوڑنا چاہتے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار○○

بقیہ : توجہ طلب

ذہن میں یہ بات آئی کہ مبلغین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی و رہنما تو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے اسوہ پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مزید برآں' سیاسی علماء کی قلابازیاں بھی لوگوں کو دین سے بیزار کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ فرقہ واریت اور مسلکوں کے جھگڑے اس پر مستزاد ہیں۔

۲) معاشرہ منافقت کی لپیٹ میں آ چکا ہے اور دین کا ایک مسخ شدہ تصور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے۔ آپ کبھی گرد و پیش کے معاملات پر نظر ڈالیں تو اس بات کی صداقت آپ پر عیاں ہوگی۔ ٹی وی ہو یا ریڈیو اس میں پروگرام کا آغاز صبح تلاوت قرآن کریم اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد دن بھر جو خرافات پیش کی جاتی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ جب میں ٹی وی کے پروگرام دیکھا کرتا تھا تو ایک دفعہ ٹی وی ایوارڈ کے پروگرام کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ قاری صاحب نے تلاوت قرآن پاک سے اس کا آغاز کیا۔ رات بھر خرافات دکھائے جاتے رہے اور قاری صاحب وہیں براجمان رہے۔ اس کا عکس ہمارے معاشرے پر بھی پڑ رہا ہے۔ صبح دودھ والے کی دکان پر' پان والوں کے ہاں' ہوٹلوں میں اور بسوں میں قراءت کے کیسٹس لگائے جاتے ہیں۔ پھر نعت اور قوالیوں کے' اس کے بعد دن بھر فحش گانے بجتے رہتے ہیں۔ لوگ کیا' خود میرا اپنا بھی ایک زمانے میں یہی خیال تھا کہ دینی پروگراموں کے دیکھنے سے جو ثواب ملتا ہے وہ اس شر پر حاوی ہوتا ہے جو بقیہ پروگراموں کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ جتنا چاہیں اجر دیتے ہیں اور ایک برائی پر صرف ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔ اب اگر یہ تصور ہو تو پھر جو کچھ معاشرے میں ہو رہا ہے یہ غیر متوقع نہیں۔

(۳) یہ اولیاء اللہ جو اپنی قبروں میں مدفون ہیں' ان کی پاکیزہ زندگیوں کے نتیجے میں آج بھی لوگوں کے دلوں پر ان کا راج ہے۔ ان کے احترام میں ریکارڈنگ بند کر دیا جاتا ہے اور کیوں نہ ہو' ہم رمضان المبارک کے مہینہ کا بھی تو احترام کرتے ہی ہیں' خواہ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ راہ چلتے کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے جس کو رمضان المبارک میں اچھا نہ سمجھا جاتا ہو۔ یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ رمضان المبارک میں ہماری دینی جماعتیں سینما ہالوں کو بند کرنے' ٹی وی سے راگ رنگ کے پروگرام بند کرنے کے لئے شور مچاتی ہیں جبکہ سال بھر سینما ہال کھلے رہتے ہیں' ٹی وی اور دوسرے ذرائع ابلاغ عریانی و فحاشی کے فروغ میں مسابقت میں مصروف رہتے ہیں لیکن ان جماعتوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گویا کہ بری باتیں صرف رمضان المبارک میں یا محرم کے پہلے عشرے میں تو بری ہیں بقیہ سال کے بقیہ مہینوں اور دنوں میں جائز ہیں۔

اور یہ سب اس لئے ہے کہ ہم نے دینی فرائض کے جامع تصور کو عام کرنے میں کوتاہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اس تصور کو عام کریں تاکہ لوگوں کے محدود تصور بندگی میں وسعت پیدا ہو۔○○

حکمرانوں کی ترجیح میں تعلیم سرے سے شامل ہی نہیں!

ہمارا نظام تعلیم طبقاتی تقسیم پیدا کرنے کا باعث ہے

وسائل کی کمی ہمارا مسئلہ نہیں' بدانتظامی اور مقصدیت کا فقدان ہمارے اصل روگ ہیں!

پاکستانی سکولوں میں رائج نظام ہائے تعلیم کا ایک دلچسپ تقابلی جائزہ

بدر منیر بٹ

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے اس کی ۷۰ فیصد آبادی دیہی علاقوں میں رہائش پذیر ہے' جہاں زندگی کی جملہ سہولتوں کا فقدان ہی نہیں تصور بھی ناپید ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ترقی کے زینے صرف علم و فن سے طے ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس وافر وسائل ہوں اور ان کو بروئے کار لانے کے لئے تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد نہ ہوں تب بھی یہ وسائل کسی ترقی کی ضمانت نہیں بن سکتے۔ پاکستان کو آزاد ہوئے پچاس برس ہونے کو ہیں۔ یہاں جتنا سوتیلا سلوک تعلیم کے ساتھ ہوا کسی اور شعبہ زندگی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حکومتی بلند و بانگ دعووں کے علی الرغم بجٹ میں تعلیم کا حصہ وہی ۱.۵ فیصد ہے اور شرح خواندگی ہر سال زوال پذیر!!۔ البتہ خواندگی کے فروغ کے اشتہارات پر لاکھوں ضائع کر کے تعلیم کی خدمت ہو رہی ہے۔

ہمارے دیس میں اصل جھگڑا ترجیحات کا ہے۔ اگر حکمرانوں کا مطمع نظر عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں پر عمل درآمد اور مملکت کی بھلائی کی تدبیریں اختیار کرنا ہوں' تو اس کے لئے وسائل بھی مہیا ہو جاتے ہیں' رضاکار بھی میدان میں اترتے ہیں۔ خواتین اپنے زیورات پیش کر دیتی ہیں حتیٰ کہ مزدور اس طرح کے کار خیر میں سب سے پیش پیش ہوتا ہے۔ لیکن اگر حکومت کا مسئلہ اپنی کرسی کو کندھا دینے کیلئے ارکان اسمبلی کو اپنا ہم نوا بنانا ہو تو وسائل کی کمی' ناخواندگی' مفلوک الحالی' غربت اور پسماندگی کا رونا رویا جاتا ہے۔ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ ایک ایک وزیر باتدبیر کے تصرف میں تیرہ تیرہ قیمتی کاروں پر مشتمل بیڑہ ہے اس پر مستزاد فرسٹڈ بنگلے' ٹیلی فون' نوکر چاکر اور غیر ملکی دورے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وسائل کی عدم موجودگی میں ناممکن ہے۔ دراں حالات تعلیم کیلئے کیا کیا جتن ہو رہے ہیں اسکی ایک جھلک ذیل میں دیکھ لیجئے۔

درجہ بندی کے اعتبار سے بشمول حکومت چار قسم کے ادارے سکول کی سطح پر شعبہ تعلیم میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

سرکاری ادارے

سرکاری مدارس میں پاکستان کی ۷۰ فیصد آبادی زیر تعلیم ہے۔ دیہی آبادی کے پاس تو کوئی متبادل انتظام سرے سے ہے ہی نہیں لہٰذا وہ لامحالہ اپنے بچوں کو انہی مدارس میں بھیجتے ہیں۔ البتہ شہری آبادی کا وہ طبقہ جو خط افلاس پر رہ رہا ہے اور چائلڈ لیبر کے منحوس چکر سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے ان کا انتخاب بھی یہی مدارس ہیں اور یہ ان کی مجبوری ہے۔

فیس اور یونیفارم : ان مدارس میں فیس پندرہ بیس روپے ماہوار ہوتی ہے اور ایک خاص قسم کے رنگ والی شلوار قمیض مسلط کر کے یہاں کے متعلمین کو اپنے ہی معاشرے میں اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ اس رنگ کے انتخاب کی منطق بظاہر عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اساتذہ اور معیار تعلیم : جو اساتذہ یہاں تعلیم دینے پر مامور ہیں ان کی نوکری پکی ہوتی ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے A.C.R لکھنا ہوتی ہے اور وہ عام طور پر اپنا ہی بندہ ہوتا ہے۔ سرکاری تعلیم دینے والے معماران قوم طلبہ کو ہوم ٹیوشن لینے پر مجبور کرتے ہیں' جس کی وجہ سے سکول میں عدم توجہ اور عدم دلچسپی ایک فطری امر ہے۔ پھر جہاں احتساب و مواخذہ کی سرے سے کوئی روایت ہی نہ ہو وہاں صحت مند نتائج اور معیار کی توقع عبث ہے۔ اگرچہ سرکاری مدارس میں بہت مشاق' تجربہ کار اور کوالیفائیڈ سٹاف متعین ہوتا ہے تاہم سکول ایک جزوقتی وظیفہ متصور ہوتا ہے۔ اساتذہ اپنی تمام توانائیاں باقی مشاغل دنیا کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ اساتذہ کے اس طبقہ کو سکول ٹائم میں بہت سے کام کرنے ہوتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں تو سکول میں بیک وقت تمام اساتذہ کی حاضری کو براشگون خیال کیا جاتا ہے۔ چشم بددور!!

کتب : سرکاری مدارس میں کتب کی تدوین و ترتیب کا کام ٹیکسٹ بک بورڈز کرتے ہیں۔ یہ کتب قیمت کے اعتبار سے عام آدمی کی رسائی میں ہیں البتہ ان میں تحقیق کا عنصر معدوم ہوتا ہے۔ اکثر وقت ہر کتب کی دستیابی ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ یہ کتب کئی کئی سال اپنی اصل ہیئت میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اداروں پر بھی کچھ بااثر لوگوں کا قبضہ ہے جو سلیبس کی ٹھوس منصوبہ بندی کی بجائے دوسری ترجیحات کے فریفتہ ہیں۔

نصاب تعلیم : نصاب تعلیم کے اندر کوئی منطقی ربط دیکھنے میں نہیں آتا۔ دور جدید کے تقاضوں سے قطعی ناآشنا اور کسی بھی طرح کی حقیقی سرپرستی سے محروم نصاب سرکاری مدارس کا مقدر ہے۔ Curriculum Development کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے جسکی سالانہ کارکردگی بھی بقیہ وزارتی شعبوں کے معیار سے مختلف نہیں ہوا کرتی۔

صورت حال دو ایک مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔ گورنمنٹ سکولز میں آٹھویں جماعت تک سائنس کا بالکل محدود اور دقیانوسی کورس پڑھایا جاتا ہے' جیسے ہوا وزن رکھتی ہے اور جگہ گھیرتی وغیرہ جبکہ یہ دور Nuclear Science کا ہے۔ اس کے برعکس نویں جماعت میں فزکس' کیمسٹری اور بیالوجی گویا سائنس کی یہ تینوں شاخیں پورے سلیبس پر چھاجاتی ہیں۔ ان میں نظریاتی کام کے ساتھ ساتھ عملی کام (Practicals) بھی چلتے ہیں جن کے لئے نہ تو تجربہ گاہیں میسر ہوتی ہیں اور نہ ہی پریکٹیکل کا سامان نظر آتا ہے۔ لیبارٹری اٹنڈنٹ کا وجود بھی گویا ایک نعمت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس مد میں بچوں سے فیس کی وصولیابی عمل میں آتی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ طالبعلم تجربہ گاہوں کے نام اور کام سے بالکل غیر مانوس ہوتے ہیں۔ امتحانات کے موقع پر "نمک مکا" کے ذریعے اچھے نمبروں کی نوید آغاز سال سے دے دی جاتی ہے۔ اس طرح اگر تحصیل علم کا کوئی حقیقی جذبہ موجود ہو تو وہ بھی سلا دیا جاتا ہے۔ یہی عالم انگریزی کا ہے۔ آٹھویں جماعت تک ٹیکسٹ بک بورڈ کی ایک سطحی سی کتاب ہے جبکہ گرائمر کے لئے گائیڈز وغیرہ اساتذہ اپنی اپنی مرضی سے منظور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس نویں اور دسویں جماعت میں گرائمر اور ٹیکسٹ کا معیار یکدم اونچا ہو جاتا ہے جو بسا اوقات طلبہ اور طالبات کی تعلیمی پیش رفت میں سد راہ بنتا ہے (یہاں دیہی سکول اور ان کے طلبہ پیش نظر رہیں)۔ نہم دہم کے لئے ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتب اور گرائمر بکس مختلف اور متنوع معیار پیش کرتی ہیں۔ اس بات کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مشکل اور معیاری کتب سے اجتناب کیا جائے بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ نیچے سے بتدریج نصاب کو وسعت دی جائے اور آٹھویں جماعت تک معتدبہ حد تک طلبہ کو خود نویسی پر قادر کیا جائے تو پھر سیکنڈری سطح پر جا کر طلبہ کو چنداں مشکل پیش نہیں آتی۔ ایسا نصاب تعلیم کے فروغ میں حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔

طرز تدریس اور غیر نصابی سرگرمیاں : بدقسمتی سے پاکستانی طرز تدریس میں رٹا سسٹم نے بچوں کی تخلیقی قوت کو بری طرح مفلوج کیا ہے۔ اس نظام نے معلم اور متعلم دونوں کے سامنے بہت محدود اہداف رکھ دیئے ہیں دونوں Short Cut کے ذریعے کامیابی کے خواہاں ہیں۔ دونوں محنت اور تحقیق سے جی چراتے ہیں۔ اس سوچ نے غیر قانونی طریقے سے پاس ہونے کے ہتھکنڈوں کو فروغ دیا ہے۔ متعلمین صرف نصابی معلومات پر اکتفا کر لیتے ہیں اور یہی نسخہ تیر بہ ہدف ہے۔ اس پر مستزاد داخلوں کے لئے داخلہ ٹیسٹ کی جگہ میرٹ نے لے لی ہے۔ اساتذہ کی تن آسانی اور ٹیوشن کی ترغیب نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ کتب خانے جو تعلیم کی اساس ہیں' وہ عدیم الوجود ہیں۔ ان کی افادیت اور ترغیب و تشویق بڑی دور کی بات ہے۔ اس کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیاں جو تعلیم کی اصل روح ہیں' وہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ ان کا ذکر صرف کتابوں تک محدود ہے۔ بے روح و بے جان تعلیم جس میں نہ تقریریں' نہ تحریریں نہ ڈرامے نہ کھیل' نہ مباحثے نہ تحقیق و تدوین' نہ کتب خانے اور نہ کوئی اور جذبہ مسابقت!! طلبہ اور طالبات کی زندگی کا سب سے مستعد اور پرجوش حصہ اس بوسیدہ نظام کی بے حسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ابراہیم لنکن جو ۱۸۶۱ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا صدر بنا ایک معمولی کسان کا بیٹا تھا' لکڑی کی جھونپڑی میں پیدا ہوا۔ اپنے بے مثال فن تقریر اور غیر معمولی مطالعے کی بدولت ایک قابل رشک مقام تک پہنچ گیا اور پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس کی تقاریر کے نسخے آج بھی واشنگٹن ڈی۔ سی میں نوادرات کے درجے میں آتے ہیں۔ ہمیں جان لینا چاہئے کہ ہر قوم کو جوہر قابل محنت اور مطالعے کی بدولت ہاتھ آتا ہے۔

امتحانی نظام : مذکورہ بالا مدارس کا امتحانی نظام چیئرمین انٹربورڈ کمیٹی کے ماتحت بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کے زیر انتظام ہے۔ تمام بورڈز کا امتحانی طریقہ کار یکسانیت کا حامل ہے جو ایک مستحسن بات ہے لیکن طلبہ و طالبات کی ذہنی استعداد پرکھنے کے لئے سال کے آخر میں چند نصابی سوالات دے دیئے جاتے ہیں۔ دو سال پر محیط اتنے وسیع نصاب کو پرکھنے کے لئے تین گھنٹے انتہائی کم ہیں۔ بعض متعلمین کم مطالعے کے باوجود اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتے ہیں اور کچھ زیادہ پڑھائی کے باوجود مطلوبہ ہدف حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ کبھی کام ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انٹرمیڈیٹ کی سطح کا نتیجہ اپنے گراف کے اعتبار سے بہت نیچے چلا جاتا ہے۔

پرائیویٹ سکولز

ہمارے ملک کی ۲۰ سے ۲۵ فیصد آبادی اپنے بچوں کو پرائیویٹ سکولز میں تعلیم دلاتی ہے ان میں بھی ۵ فیصد لوگ ایسے ہیں جو سرکاری مدارس میں داخلوں کے دباؤ کے باعث وہاں داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بادل نخواستہ ان مدارس کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں پر مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ ان میں بیشتر لوگ شہروں میں آباد ہیں۔ ایک اور اہم وجہ جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے وہ ان سکولوں کا معیار تعلیم ہے۔ پھر یہاں بچوں کی CARE بھی ہوتی ہے۔ والدین کی جائز شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نسبتاً تعلیم پر بہتر توجہ دی جاتی ہے' جس سے یہ ادارے والدین کا اعتماد حاصل کرنے میں عمومی طور پر کامیاب رہے ہیں۔

فیس اور یونیفارم : پرائیویٹ مدارس میں فیس کا سٹرکچر بڑا متنوع ہے۔ اس کا Range Rs.400/- سے Rs. 2000/- کے درمیان ہے' جہاں بھاری رقم بطور داخلہ فیس (ناقابل واپسی) کا بھی رواج ہے۔ تعلیم کے نام پر مال بنانا مقصد اولین سمجھا جاتا ہے۔ مختلف ناموں اور کاموں سے ان فنڈز کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے۔ ہر سکول کی اپنی یونیفارم ہے جو مخصوص مراکز سے ہی دستیاب ہوتی ہے بلکہ سکول بیگ اور کاپیاں بھی سکول مونوگرام والی ہی قابل قبول ہوتی ہیں۔ یہ بازار کی عام قیمت سے کافی مہنگی ہوتی ہیں۔

اساتذہ اور معیار تعلیم : یہ ادارے انگلش میڈیم کے نام پر وجود میں آئے ہیں۔ Spoken English معیار کا مل سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ مغرب زدہ پاکستانی معاشرے کی کمزوری کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اسی سے عام لوگ مرعوب بھی ہوتے ہیں۔ اساتذہ کا مشاہرہ قابل رشک نہیں۔ انہیں ہر وقت عدم تحفظ کا احساس دامن گیر رہتا ہے' جس وجہ سے وہ اپنے فرائض پوری دلجمعی سے ادا نہیں کر پاتے اور اپنی آمدنی کو Suppliment کرنے کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں۔ ۹۰% مدارس میں اساتذہ کے لئے کوئی سوشل ویلفیئر سکیم نہیں ہے' جس کی وجہ سے ادارے سے وابستگی عارضی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ یوں معلمین اور متعلمین کے درمیان باہمی افہام و تفہیم کے رشتے کمزور ہی رہتے ہیں۔

نصاب تعلیم اور طرز تدریس : پرائیویٹ سکولز میں آٹھویں تک نصاب مقابلتاً بہتر ہوتا ہے اور معیاری بھی۔ یہ نصاب اکثر طلبہ (جن کا مشغلہ سکول تبدیل کرنا ہے) کے سر سے گزر جاتا ہے۔ اس طرح کے سکولز کے بچوں کی شومئی تقدیر کہ نو دس سال انگلش میڈیم کی طرز پر پڑھائی کے بعد یہ پھر میٹرک کے دقیانوسی نظام کی طرف مراجعت کرتے ہیں' جس سے سوائے الجھن کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ البتہ ایک بات لائق تحسین ہے کہ ان اداروں میں کچھ تخلیقی کام

بھی کیا جاتا ہے۔ یہاں متعلمین کو مختلف Projects کے ساتھ ساتھ اب کمپیوٹر سائنسز کی جدید تعلیم کے مواقع بھی حاصل ہیں لیکن یہ سہولت چند معیاری مدارس میں ہے جو اولیول' اے لیول اور سینئر کیمبرج کے امتحانات دلواتے ہیں۔ ایسے ادارے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ بیشتر سکولز کمپیوٹر گیمز کو کمپیوٹر کی تعلیم کا نام دیتے ہیں اور یہ کیا سادگی ہے!! یہاں ایک بہت بڑی قباحت یہ دیکھنے میں آئی کہ اساس پاکستان اور نظریہ پاکستان جیسے حساس موضوعات کو علامتی طور پر بھی متعارف نہیں کروایا جاتا۔ البتہ Bonfire اور بسنت کا اہتمام بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ لائبریری فنڈ کے نام پر ٹکٹ بیچے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ان اداروں میں معیاری کتب خانوں کا فقدان ہے۔ کوٹھیوں اور بنگلوں میں کھلے ہوئے یہ سکول ہمیشہ کلاس روم اور پلے گراؤنڈز کی کمی کا شکار رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے لائبریریز (Libraries) اور لائبریرینز (Librarians) ہنوز ایک دیوانے کا خواب ہیں۔ اس طرح کے مدارس کروڑوں کماتے ہیں مگر جب انکم ٹیکس والوں کو اپنے اپنے حساب کتاب دکھاتے ہیں تو بہت غریب نظر آتے ہیں۔ خسارے پر خسارا ہوتا ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار!!

امتحانی نظام : امتحانات کا طریق کار یہاں بھی قابل رشک نہیں۔ تقریباً ہر کلاس کا نتیجہ سو فیصد آ ہی جاتا ہے۔ اس لئے بچے زیادہ محنت کے عادی نہیں ہوتے۔ یہاں پر پرنسپل یا مالک کا حسن کرشمہ ساز جو چاہے کر سکتا ہے۔ طلبہ کی سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ تو لیا جاتا ہے مگر ان کا مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ والدین اس طرح کے فیصلوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میٹرک کے نتائج بھی کبھی امید افزا ثابت نہیں ہوئے حالانکہ SEND UPS میں چھانٹی کے بعد صرف ان طلبہ وطالبات کا [illegible] جاتا ہے جن کی بہترین کامیابی کی توقع ہوتی ہے' بقیہ پرائیویٹ طور پر امتحانات میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ بات محل نظر ہے کہ نو سال اسی ادارے میں زیر تعلیم رہنے والا طالب علم دسویں سال اگر مطلوبہ کارکردگی نہ دکھائے تو ادارے کی سرپرستی سے محروم ہو جاتا ہے۔

کیڈٹ سکولز

کیڈٹ سکولز اپنی شہرت اور کارکردگی کے اعتبار سے اب تک پاکستان میں صف اول کی درسگاہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر آج کل شہروں کی کوٹھیوں اور محلوں میں کئی کیڈٹ سکولز کھل گئے جو اصلی (ایک نمبر) کیڈٹ سکولوں کے ناموں کو گہنا رہے ہیں۔ کیڈٹ سکولوں میں فوج کے انتظام و انصرام میں چلنے والے ادارے طلبہ کی شخصیت اور کردار سازی میں مثالی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں ۲ سے ۳ فیصد آبادی کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ یہاں بورڈنگ کی سہولت موجود ہے۔ فوجی افسروں' سول افسروں' حکومتی عہدے داروں اور رؤسا کے بچوں کو اس طرز تعلیم سے استفادہ کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔

فیس اور یونیفارم : کیڈٹ سکولز میں فیس کے اخراجات کو بہت حد تک Justify کیا جاتا ہے۔ یہاں فیس کے علاوہ کھانے پینے رہائش اور کتب کی فراہمی بھی ادارے کی ذمہ داری ہے۔ اخراجات کا تخمینہ =/Rs.3500 ماہانہ ہے۔ ہر سکول کی اپنی الگ اور معقول یونیفارم ہے۔

اساتذہ اور معیار تعلیم : اس طرز کے مدارس میں معیاری اور کہنہ مشق اساتذہ کا تقرر ہوتا ہے' جو اپنے اپنے شعبے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ چونکہ شرائط ملازمت اور مشاہرہ دل کش ہوتا ہے اس لئے اساتذہ اپنے شاگردوں کی شخصیت نکھارنے میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں۔ معیار تعلیم مانا ہوا ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو پیشہ وارانہ کالجز میں داخلے کا مسئلہ پیش نہیں آتا لیکن ان مدارس میں طالبات کو تعلیم کے مواقع حاصل نہیں ہیں۔ طلبہ میں قائدانہ صلاحیتوں کے علاوہ ان کی افتاد طبع کے مطابق ان کے علمی کینوس میں وسعت پیدا کی جاتی ہے۔

نصاب اور طرز تدریس : مذکورہ بالا اداروں میں نصاب بڑی چھان پھٹک کے بعد تشکیل دیا جاتا ہے۔ عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تعلیم بھی ان مدارس کا مطمع نظر ہے' جس سے متعلمین کے اندر خود اعتمادی کا جذبہ نمو پاتا ہے۔ تخلیقی طرز کے کاموں پر توجہ دی جاتی ہے اور زندگی کے امکانی مسائل سے نپٹنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔ کتب خانوں سے استفادہ اور غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی تدریس کا باقاعدہ حصہ بنایا جاتا ہے۔ طلبہ کی عزت نفس مجروح نہیں کی جاتی۔

نظام امتحان : کیڈٹ سکولوں کا حسن ابھی تک قائم ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی انتظامیہ امتحانی اصول و ضوابط پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ طلبہ کو نہ صرف نصابی کتب بلکہ غیر نصابی کتب کے مطالعے سے بھی گزرنا ہوتا ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ان کا تخلیقی اور فکری جوہر بھی نکھر کر سامنے آتا ہے۔ نتائج ہمیشہ قابل تحسین رہے ہیں لیکن اب سیاست کے در آنے سے ڈر ہے کہ یہ مدارس اپنی روایات کی پاسداری بمشکل کرپائیں گے۔

طبقہ اشرافیہ کے سکول

مندرجہ بالا ادارے اپنی ہیئت اور قد و قامت کے اعتبار سے عام آدمی کے لئے عجوبے سے کم حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ ادارے صرف دو فیصد آبادی کی خاطر وجود میں آئے ہیں۔ یہاں جاگیرداروں' وڈیروں اور صنعت کاروں کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ ان میں زندگی کی آسائشوں کے ساتھ ساتھ اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بھرپور مواقع ہیں۔ یہ مدارس طلبہ کے لئے دلکش درسگاہیں ہیں لیکن ان میں تعلیم دلوانے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے۔

فیس اور یونیفارم : اس طرز کے مدارس میں فیس کا سٹرکچر =/Rs.6000 سے =/Rs.13000 ماہانہ ہے' جس کی ادائیگی سہ ماہی یا ششماہی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ یونیفارم میں انفرادیت کا احساس برتا جاتا ہے اور انتہائی مہنگی ہوتی ہے۔

اساتذہ' نصاب اور طرز تعلیم : یہاں مخلوط طرز تعلیم کا رواج ہے اور بھرتی کے لئے غیر ملکی تعلیم یافتہ اساتذہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بھاری مشاہرہ کی پیش کش کی جاتی ہے۔ بین الاقوامی معیار پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نصاب میں جدت کا کام ہمیشہ مستعدی سے کیا جاتا ہے۔ ویڈیو' آڈیو اور دیگر سمعی وبصری معاونات کا بھرپور استعمال ہوتا ہے۔ جدید ترین تجربہ گاہوں سے مزین یہ مدارس اپنے متعلمین کے تعلیمی ذوق کے فروغ کے لئے اور بین الاقوامی سطح کے کام سے شناسائی کے لئے ویڈیو فلمز کی روشنی میں تجربات کا بندوبست کرتے ہیں۔ تعلیم کو انسانی جبلت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بھرپور دلچسپی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔ ڈسپلن' نظام امتحان اور اکیڈمک مشاغل کو اپنے اپنے دائرہ کار میں کافی حد تک خود مختار رکھا جاتا ہے۔ ہر شعبہ میں طلبہ و طالبات پی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کا استعمال پوری لگن اور توجہ سے کر سکتا ہے۔ یوں انفرادی اور اجتماعی طور پر معیاری کام سامنے آتا ہے اور مسابقت کی فضا ہمہ وقت قائم رہتی ہے۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں مباحثے' مجلہ نویسی اور ہر طرح کے انڈور اور آؤٹ

ذور کھیل شامل ہیں۔ ان مدارس کا طرۂ امتیاز سوئمنگ پول ہیں۔

سٹوڈنٹ لائف ڈیپارٹمنٹ : طبقہ اشرافیہ کے مدارس میں سٹوڈنٹ لائف ڈیپارٹمنٹ کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ ایک طرح سے طلبہ اور طالبات کے اندر تحریک (motivation) پیدا کرنے والا شعبہ ہے۔ اس میں طلبہ و طالبات کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیاں نظم و نسق کی خوبیاں اور خامیاں سب ریکارڈ پر لائی جاتی ہیں۔ فارغ اوقات میں متعلمین اپنے نصابی اور غیر نصابی مشاغل اس ڈیپارٹمنٹ میں انجام دیتے ہیں۔ امتحانات کی پراگریس رپورٹ میں باقاعدہ ان سرگرمیوں کے نمبر دیئے جاتے ہیں۔ بہت حد تک یہ شعبہ طلبہ میں ذمہ داری اور سلیقہ شعاری کا عنصر پیدا کرتا ہے۔ Prefects کا ڈسپلن میں بڑا کلیدی کردار ہوتا ہے۔

نظام امتحان : ان اداروں میں او لیول' جی سی ای' ای جی سی ای' سینئر کیمبرج' اے ۔ پی' ایس ۔ اے ۔ ٹی اور اے لیول کے معیار کے امتحانات کے لئے متعلمین کو تیار کیا جاتا ہے جو اعلیٰ تعلیم کے لئے مغرب اور ریاستہائے متحدہ کی جامعات کا رخ کرتے ہیں۔ ان امتحانات میں اچھے گریڈز لینے کے لئے اضافی مطالعے اور مضامین کا بھرپور ادارک شرط اول ہے۔ اچھی انگلش کی سوجھ بوجھ اور اس کا ٹھوس پس منظر بنیادی بات ہے۔ برٹش کونسل اور امریکن یونیورسٹیوں کے توسط سے مندرجہ بالا امتحانات کا انعقاد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں بین الاقوامی معیار کی کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ہر مضمون کے امتحان کی فیس برٹش کونسل یا متعلقہ یونیورسٹی وصول کرتی ہے۔

اصلاح احوال کیلئے تجاویز

(۱) امتحانات نصابی کتب کی قدغن سے آزاد ہوں تاکہ متعلم اور معلم کے انداز درس و تدریس میں وسعت پیدا ہو۔ خلاصوں' نوٹس اور گائیڈز پر انحصار کلیتاً ختم کیا جائے۔

(۲) ہر ادارے میں داخلے کے لئے ادارے کا اپنا شفاف داخلہ ٹیسٹ ہو جو مکمل راز داری سے متصف ہو لیکن مارکنگ وغیرہ transparent ہو۔ اس طرح غیر قانونی ہتھکنڈوں سے زیادہ نمبر لینے کی دوڑ کی حوصلہ شکنی ہو گی۔

(۳) سیاست اور سیاسی اثر و رسوخ تعلیمی اداروں میں شجر ممنوعہ قرار دیئے جائیں۔

(۴) خراب کارکردگی پر اساتذہ اور ادارے کے سربراہ کا باقاعدہ مواخذہ (Accountability) ہو۔ صرف اسی صورت میں اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے۔

(۵) غیر نصابی سرگرمیوں اور کتب خانوں میں مطالعے کے اضافی نمبر دیئے جائیں اور ان کی مناسب حوصلہ افزائی کی جائے۔

(۶) دولت کے زور پر تعلیم حاصل کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ ترجیحات بدلی جائیں اور اولاد کو محض معاشرے اور سکول کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جائے۔

(۷) حکومتی اداروں پر کروڑوں کا بجٹ خرچ ہوتا ہے لیکن کبھی مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ یہ ہاتھ بدلنے چاہئیں ان کو بہت آزمایا جا چکا ہے۔

(۸) مدارسین و مدرسات کا مشاہرہ خاطر خواہ حد تک بڑھایا جائے تو باصلاحیت لوگ خود بخود اس میدان کا رخ کریں گے۔

(۹) نااہل اور کام چور لوگوں کو اس شعبے سے پاک کرنے کے لئے انقلابی اقدامات کئے جائیں۔ ان کی بجائے درد دل رکھنے والے باشعور افراد کا تقرر کیا جائے۔

(۱۰) اچھے نتائج دینے والے لوگوں کو حکومت کی طرف سے مالی تعاون اور تعریفی اسناد ملنی چاہئیں۔

(۱۱) پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کی جائے لیکن آمدنی و اخراجات پر سرکاری نگرانی ہو۔

(۱۲) بجٹ میں تعلیم کا حصہ کم از کم سری لنکا کے برابر ہو جہاں قومی آمدنی کا سات فیصد تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ غربت اور پسماندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرے ہوئے اس ملک کی شرح خواندگی ۹۰ فیصد ہے۔

(۱۳) سیاسی جماعتیں اس میدان میں حکومت سے تعاون کریں۔ دو چار دینی جماعتوں کے علاوہ کسی سیاسی جماعت کو اپنے فنڈز سے ایک پرائمری سکول تک کھولنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ البتہ اس جتھے کے کم و بیش ہر رہبر نے کروڑوں کے قرضے ضرور معاف کروائے ہیں۔

(۱۴) کتب خانوں کے فروغ کے لئے بلدیاتی اداروں سے کلیدی کام لیا جا سکتا ہے۔ ہر کونسلر اپنے علاقے میں کم از کم ایک لائبریری کی سرپرستی کرے۔

(۱۵) شرح خواندگی بڑھانے کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان طبقے کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

(۱۶) نتائج میں غیر ضروری تاخیر کو ختم کرنے کے لئے Central Marking کا نظام رائج کیا جائے' جہاں نتائج جلدی آئیں گے وہاں بدعنوانی کے بہت سے دروازے بند ہو جائیں گے۔ OO

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب غربی کے تحت ایک روزہ

دعوتی اجتماع کا پروگرام

(۲۴ نومبر ۹۵ء' بروز جمعۃ المبارک)

رفقاء کی آمد : 00 : 9 بجے صبح بمقام دفتر حلقہ

امیر محترم کا خطاب جمعہ : 30 : 11 بجے

بمقام مجوزہ قرآن اکیڈمی (مدینہ ٹاؤن' خیابان کالونی) فیصل آباد

موضوع : سلطنت خداداد پاکستان :

نظام خلافت کے قیام کا نقطہ آغاز یا نئے عالمی یہودی استعمار کا آلہ کار؟

امیر محترم سے رفقاء کی ملاقات : نماز عصر کے فوراً بعد

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے سالانہ اجلاس میں شرکت : بعد نماز مغرب

نوٹ : نماز عشاء کی باجماعت ادائیگی اور طعام کے بعد دعوتی اجتماع اختتام پذیر ہو گا۔ ان شاء اللہ

مغربی ثقافت کی تشہیر کو روکنا اہل قلم کی بنیادی ذمہ داری ہے

موجودہ حکومت خم ٹھونک کر اسلامی اقدار کو چیلنج کر رہی ہے

الیکٹرانک میڈیا پر ترقی پسندی کے نام پر طوفان بدتمیزی اٹھایا جا رہا ہے

محبوب الحق عاجز

وطن عزیز میں' جو بے شک اسلام کے نام پر بنا ہے' ٹی وی اور عام سرکاری مجالس میں ثقافت کے نام پر جس بے حیائی' فحاشی اور عریانی کا پرچار کیا جا رہا ہے' اس سے ہر دردِ دل رکھنے والا شہری فکر مند اور پریشان ہے۔ پریشان کیوں نہ ہو کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی پاکیزہ اسلامی ثقافت کو مٹایا جا رہا ہے اور اس کے زیر اثر پاکیزہ اخلاقی قدریں' شرم و حیاء' ادب و احترام' محبت و شفقت نیست و نابود کی جا رہی ہیں۔ چند دینی جماعتیں نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کی غرض سے اگرچہ گاہے گاہے اس طوفان بدتمیزی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہتی ہیں مگر بدقسمتی سے ان کی غلط حکمت عملیوں اور نفاق باہمی کی بدولت ان کی آواز "فرعونی سیاست کے ایوانوں" میں یکسر غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے۔

اس صورتحال میں جبکہ ہمارے حاکم "اپنے بالائی حاکموں" کی طرف سے سونپے گئے "فرض منصبی" کی بجا آوری کے لئے بڑی ڈھٹائی سے کھلے عام غیر اسلامی ثقافت کو فروغ دے رہے ہیں' عمومی طور پر ہر کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے احساس کے تحت اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور اپنے اپنے دائرہ اختیار میں' جتنا بھی ممکن ہو سکے' برائی کے سدباب کے لئے کوشش اور تگ و دو کرے لیکن خصوصاً یہ ذمہ داری اہل دانش و بینش اور اہل قلم و صحافت کی ہے کہ باطل نظام کے پاسبانوں کے فحش پن اور برائی کے خلاف قلمی جہاد کا آغاز کر کے معاشرتی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں کیونکہ معاشرے کے "دماغ" کی حیثیت انہیں ہی حاصل ہے۔ قوم کی فکری باگ دوڑ انہی کے ہاتھوں میں ہے' معاشرتی عروج و زوال کا سہرا اہل علم و دانش کے ہاتھوں میں ہے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ دنیا میں جتنے معاشروں اور قوموں نے سماجی میدان میں ترقی کی' یا وہ زوال کا شکار ہوئے' اس کے پس پردہ اصل ہاتھ اہل فکر و اہل قلم کا رہا ہے نہ کہ عوام الناس کا' اس لئے کہ وہ تو کولہو کے بیل ہوتے ہیں' ان کی کوئی ذاتی رائے نہیں ہوتی' وہ تو اپنے سیاسی قائدین' پیروں' بزرگوں اور اہل قلم کے نقطہ نظر اور آراء سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ گویا رائے عامہ کی تشکیل یا معاشرے کی تعمیر و تخریب میں اہل صحافت کا کردار بنیادی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ آج مغرب میں اہل مغرب کی مادی اور سائنسی ترقی سے صرف نظر کرتے ہوئے' اگر ان کے اخلاقی انحطاط اور معاشرتی زوال پر نگاہ ڈالی جائے اور اس کے اسباب و علل پر

> "اسلام اور اس کی تہذیب و ثقافت پر کڑا وقت آ گیا ہے' اس کے کلچر کو نیست و نابود کرنے کیلئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جا چکی ہے لہٰذا اس کڑے وقت میں اس کے دفاع کیلئے عملی مظاہرے کا وقت ہے"

غور کیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس زوال میں بنیادی کردار میڈیا' بالخصوص الیکٹرانک میڈیا' پرنٹ میڈیا اور اخلاق باختہ صحافت کا ہے۔ قائد اعظم علیہ الرحمہ نے اسی لئے صحافت کے متعلق فرمایا تھا کہ "صحافت ایک بہت بڑی قوت ہے' جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔ اگر یہ صحیح نہج پر ہو تو رائے عامہ کی راہنمائی بھی کر سکتی ہے"۔

رسائل و جرائد اور روزناموں کے مدیران اور دیگر اہل قلم! آپ کا پیشہ (صحافت) ایک مقدس پیشہ ہے' کیونکہ قوم کا فکری ارتقاء اور تنزل آپ کے ہاتھوں میں ہے' چنانچہ آپ کا قلم ایک ذمہ دار اور حساس فرد کا قلم ہے' اس لئے خدارا' اپنے قلم کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے' اسے قوم کی امانت سمجھتے ہوئے' اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیجئے۔ اپنے پیشے کے تقدس اور اپنے مقام اور قدر و قیمت کا لحاظ رکھتے ہوئے' اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیجئے اور اس حقیقت کو ملحوظ رکھئے کہ جس طرح وطن عزیز کی جغرافیائی سرحدوں کا دفاع عموماً ہم سب اور خصوصاً افواج پاکستان کی ذمہ داری ہے' بالکل اسی طرح اس پاک دھرتی کی نظریاتی سرحدوں کے بقاو تحفظ کی ذمہ داری ہر پڑھے لکھے پاکستانی شہری پر عموماً اور آپ کے کندھوں پر بالخصوص ہے۔ کشتی ملت جو بدی کے سمندر میں غوطے کھا رہی ہے' اسے ساحل مراد پر آپ ہی نے لگانا ہے' نیکی جو کہ کونوں کھدروں میں منہ چھپائے بیٹھی ہے' اسے آپ نے ہی غالب کرنا ہے۔ برائی اور بے حیائی کا سیلاب مسلسل آگے بڑھے جا رہا ہے۔ اس کے آگے بند آپ نے ہی باندھنا ہے۔

اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو پھر اے ارباب فکر و دانش اور اہل قلم!! آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ

اولاً : اپنی صحافت کو اسلامی ضابطوں کا پابند بنائیے' زنا اور جنسی انارکی کی خبروں کو مت اچھالیئے۔ اپنے اخبارات اور رسائل میں عریاں تصاویر کی اشاعت سے باز آ جائیے اور اس کے سدباب کے لئے اخبارات کی تنظیم کا اجلاس بلا کر واضح' ٹھوس اور متفقہ پالیسی وضع کیجئے۔

ثانیاً : اپنے اداریوں' اپنی تحریروں اور اپنے مضامین میں جیسے آپ عمومی دلچسپی کے مختلف موضوعات مثلاً

ملک کی داخلی صورتحال' اپوزیشن اور حکومت کی باہمی چپقلش' عوام کے مسائل' مسئلہ کشمیر' افغان پالیسی' ایٹمی پروگرام' عالمی سیاست اور دیگر بے شمار معاملات اور مسائل پر ارباب اقتدار کو اپنی آراء سے آگاہ کرتے ہیں' اسی طرح خدارا' ثقافت کے نام پر ہونے والی "گندگی اور غلاظت" اور اس کی ممکنہ تباہ کاریوں سے بھی اہل اقتدار کو مطلع کیجئے اور انہیں اس گھناونے جرم سے باز رہنے کی تلقین کیجئے۔

ثالثاً : ارباب اقتدار کو نظریہ پاکستان کے حوالے سے یاد دلایئے کہ ہماری منزل تو اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل قرار پائی تھی آپ ہمیں کیوں غیر صالح اور شرم و حیا سے عاری لادین (Secular) معاشرہ کی راہ پر ڈال رہے ہیں۔

رابعاً : انہیں جمہوریت کے حوالے سے مطلع کیجئے کہ جس جمہوریت کے راگ تم الاپ رہے ہو' اس میں عوام کی خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے دیس میں اکثریت "حکمرانی ثقافت" (عریاں ننگے ناچ گانوں پر مبنی) کی بجائے "اسلامی ثقافت" کا فروغ چاہتی ہے' لہٰذا تم اگر جمہوریت کے چیمپئن بننے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر عوام کی مرضی کے خلاف "حکمرانی ثقافت" کو ان پر زبردستی کیوں مسلط کر رہے ہو' ان سے پوچھئے کہ کیا تمہارے نزدیک جمہوریت اسی حقیقت کا نام ہے کہ اپنی تقریروں میں تو عوامی حاکمیت اور عوامی بہبود کے نعرے لگائے جائیں اور عمل کی دنیا میں عوام کو ان کی مرضی کے برعکس ظلم و استحصال' معاشرتی ناہمواری' معاشی اونچ نیچ' کمر توڑ مہنگائی' جنسی انارکی' بے حیائی' فحاشی اور عریانی میں مبتلا کر کے ان پر بدترین آمریت مسلط کی جائے۔

خامساً : انہیں دین کے حوالے سے آگاہ کیجئے کہ جس خدا کا کلمہ تم پڑھتے ہو جس کی بندگی کا دعویٰ تم کرتے ہو' وہ تو کہتا ہے کہ ﴿ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشہ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرہ' واللہ یعلم وانتم لاتعلمون ﴾ (النور : ۱۹)

سادساً : انہیں تاریخ کے حوالے سے بتایئے کہ فحاشی و عریانی کا فروغ ہمیشہ قوموں کے زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ انہیں کہئے کہ اے حکمرانو! جس اقبال کے گیت تم گاتے ہو' جس کے اشعار کو تم اپنی تقریروں میں دہراتے ہو' جس کے تقریری و تحریری اقتباسات کو تم اپنے موقف کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہو' وہی اقبال کہتا ہے کہ

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

تم یہاں آ کر اقبال کی صدا پر کان کیوں نہیں دھرتے۔

محترم مدیران گرامی اور دیگر اہل قلم! یہ کام اختیاری نہیں لازمی ہے۔ کیونکہ اسلام اور اس کی تہذیب و ثقافت پر کڑا وقت آ گیا ہے' اس کے کلچر کو نیست و نابود کرنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی جا چکی ہے لہٰذا اسلام کے اس غربت اور اجنبیت کے دور میں' دینی غیرت و حمیت کی ہلکی سی چنگاری بھی اگر ہمارے باطن میں موجود ہے' اسلام کے نظریہ کے دفاع اور اس کے لئے کچھ کرنے کا ادنیٰ سا جذبہ بھی اگر ہم میں ہے' تو یہ اس کے عملی مظاہرے کا وقت ہے کہ بقول اقبال۔

یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصہ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

پھر یہ کہ یہ مسئلہ فوری توجہ کا مستحق ہے لہٰذا اس سے فرار یا اس میں تاخیر و تاویل کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہو گا اور جب نتیجہ سامنے آ جائے گا اس وقت ہم اس کا ازالہ نہیں کر سکیں گے لہٰذا پیشگی منصوبہ بندی کر لیجئے مبادا کل ہمیں وہ روز بد دیکھنا پڑے جب ہماری بیٹی ہمیں یہ کہے کہ

"Daddy! I am going to Murree with my boy friend"

اور ہم مجبوری اور بے بسی کی تصویر بنے ہاتھ ملتے رہ جائیں اور زبان حال سے یہ کہیں کہ ع

رہی دل کی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیئے

یاد رکھئے! اگر ہم اس "حکمرانی ثقافت" کے آگے بند نہیں باندھیں گے تو اگرچہ ہم انفرادی طور پر برائی میں ملوث نہ بھی ہوں' تب بھی اس بے حیائی کے مذکورہ عذاب میں گرفتار ہو کر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور دو ٹوک اعلان ہے کہ ﴿ واتقوا فتنہ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصہ ﴾ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فحش اور بے حیا ثقافت کے خلاف قلمی جہاد کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین ○○

بورے والہ اور وہاڑی میں
امیر تنظیم اسلامی کے خطابات کے پروگرام

25/ نومبر95ء' ہفتہ' بعد نماز عشاء' 8 بجے شب

خطاب عام ' بمقام : کریسنٹ ہال' گورنمنٹ کالج بورے والہ

رابطہ : ڈاکٹر عبدالحفیظ' پلال پولی کلینک' فون : 3380

****

26/ نومبر95ء' اتوار' 30 : 11 بجے دن

خطاب بار کونسل ' بمقام : ڈسٹرکٹ کورٹس وہاڑی

رابطہ : راؤ محمد جمیل صاحب' فون : 62280

****

27/ نومبر95ء' سوموار' 30 : 11 بجے دن

خطاب بار کونسل ' بمقام : ڈسٹرکٹ کورٹس وہاڑی

رابطہ : جناب پرویز اسماعیل صاحب ایڈووکیٹ' فون : 54388

المعلن : ناظم حلقہ تنظیم اسلامی پنجاب جنوبی

"جھرلو" کی کرامات!!

نام نہاد جمہوریت' چند وڈیروں کا کھیل ہی تو ہے!

انتخابات کے نتائج کہیں اور ترتیب دیئے جاتے ہیں!!

معروف ادیب اور بیوروکریٹ قدرت اللہ شہاب مرحوم الیکشن کے حوالے سے بیوروکریسی کے مکروہ کردار کی نقاب کشائی کرتے ہیں

"عام زندگی میں "جھرلو" گھمانا مداری کا کسب ہے۔ جادو کی یہ چھڑی گھما کر مداری خالی تھیلے سے زندہ کبوتر اور بند ٹوکروں سے آم لگے ہوئے پیڑ برآمد کرتے ہیں لیکن جب یہ "جھرلو" الیکشن کے موقعہ پر ڈپٹی کمشنر کے اشارے پر گھومتا ہے تو عوام کی ہتھیلیوں پر سرسوں کے کھیت کے کھیت جم جاتے ہیں۔ پولیس کی حفاظت میں مقفل تہ خانوں کے کواڑ "کھل جا سم سم" کے جادو سے وا ہو جاتے ہیں۔ لوہے کی سربمہر صندوقچیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور نااہل امیدواروں کے نام پڑے ہوئے ووٹ تناسخ ارواح کے اصول پر لائق و فائق امیدواروں کے بکسوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی "جھرلو" کے فیض سے ووٹوں کی تعداد ووٹروں کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور یہ اسی "جھرلو" کی برکات کا نزول ہے کہ افسروں کی ترقیاں ہوتی ہیں' ان کے تبادلے رکتے ہیں اور ان کے عزیزوں' رشتہ داروں اور طفیلیوں کو نوکریاں اور امپورٹ پرمٹ ملتے ہیں۔

الیکشن کا کاروبار بلیک مارکیٹ سے زیادہ وسیع اور دست غیب سے زیادہ طلسماتی ہے۔ دو ڈھائی لاکھ کی آبادی میں سے صرف ایک مائی کا لال منتخب ہوتا ہے۔ بے زبان کاشت کاروں' مزارعوں' مزدوروں کی یہ آبادی سینکڑوں مربع میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں نہ زیادہ ریڈیو ہیں' نہ اخبار پڑھے جاتے ہیں اور یوں بھی آمدورفت کے وسائل بیل گاڑیوں' چھکڑوں اور مسافروں سے اٹاٹ بھری ہوئی اکا دکا بسوں سے آگے نہیں بڑھتے۔ چنانچہ ایک عام' سیدھا سادا امن پسند دیہاتی شادی' غمی اور دیگر بلاہائے ناگہانی کی مجبوریوں کے علاوہ یونہی خواہ مخواہ سفر وسیلہ ظفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوتا۔ عوام جو گاؤں گاؤں' قریہ قریہ' بکھرے ہوئے ہیں اپنے ذاتی ماحول' اپنے آس پاس کے چند ہمسایوں اور اپنے دکھ درد کے ساتھیوں کے علاوہ باقی دنیا سے نہ تو شناسا ہیں اور نہ اس قسم کی شناسائی پیدا کرنے کے وسائل ان کو میسر ہیں۔ دو ڈھائی لاکھ گدڑیوں میں چھپا ہوا ایک لعل ڈھونڈ نکالنا جو ان کی نمائندگی کا حق ادا کر سکے ہرگز ہرگز ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔

چنانچہ عوام کے نمائندوں کا چناؤ اکثر لاہور' پشاور' حیدر آباد' کراچی اور ڈھاکہ کے شہروں میں بیٹھ کر ہوتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے دفاتر' اسمبلی ہالوں' حکومت کے ایوانوں میں پس پردہ سودا ہوتا ہے۔

> "جب پاکستان بن رہا تھا تو کانگرس کے مقابلہ میں جنگ آزادی کو فروغ دینے کے لئے قائد اعظم نے اپیل کی تھی کہ ہر مسلمان صرف اس کو ووٹ دے جس پر مسلم لیگ کا لیبل لگا ہوا ہو.... خواہ وہ بجلی کے تار کا کھمبا ہی کیوں نہ ہو"

ٹکٹ دینے اور ٹکٹ حاصل کرنے پر تن' من' دھن کی بازیاں لگتی ہیں۔ قرآن شریف کے صفحوں پر وفاداری کے حلف نامے تحریر ہوتے ہیں۔ پرانی دشمنیاں موقوف' نئی دشمنیاں شروع ہوتی ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کے پرمٹوں کا بازار گرم ہوتا ہے نئے ٹرکوں اور نئی بسوں کے روٹ پرمٹ جاری ہوتے ہیں۔ عدالتوں میں چلتے ہوئے سنگین مقدمات داخل دفتر ہو جاتے ہیں۔ نئے الزامات اور نئے مقدموں کی مسلیں کھل جاتی ہیں۔ ڈپٹی کمشنروں' پولیس کپتانوں' مال افسروں' مجسٹریٹوں' تحصیلداروں' تھانیداروں' گرداوروں' پٹواریوں' نمبرداروں' زمینداروں' گماشتوں' صنعت کاروں' بڑے بڑے تاجروں کے زیر سایہ الیکشن کے "جھرلو" بڑی سرعت سے چلنے لگتے ہیں اور ووٹروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک ہانک کر پیدل یا چھکڑوں میں یا ٹرکوں میں لاد لاد کر پولنگ بوتھ پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ آزاد مملکت کے آزاد شہری اپنا جمہوری حق ادا کرنے کے لئے کاغذ کی پرچیاں اس صندوقچی میں ڈال آئیں جس پر لاہور' پشاور' حیدر آباد' کراچی یا ڈھاکہ کی خوشنودی کی مہر پہلے ہی ثبت ہو چکی ہے!

اگر ماحول سازگار ہے' تو پرچیاں ڈالنے کے فوراً بعد جملہ ووٹروں کو آزاد کر کے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جس طرح اور جس طرف ان کے سینگ سمائیں وہ بڑی خوشی سے تشریف لے جا سکتے ہیں ورنہ اگر مقابلہ سخت ہے تو ووٹروں کو ایک وقت کا کھانا اور ان کے سربراہوں کو نقد نذرانہ دے کر بصد عزت و احترام رخصت کر دیا جاتا ہے۔

جمہوریت کے اس مضحکہ خیز ڈھونگ میں بعض ووٹروں کو اکثر اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جس کے حق میں اس نے اپنی پرچی ڈالی ہے' وہ انسان ہے یا تار کا کھمبا!

جب پاکستان بن رہا تھا تو کانگرس کے مقابلہ میں جنگ آزادی کو فروغ دینے کے لئے قائداعظم نے اپیل کی تھی کہ ہر مسلمان صرف اس کو ووٹ دے جس پر مسلم لیگ کا لیبل لگا ہوا ہو ---- خواہ وہ بجلی کے تار کا کھمبا ہی کیوں نہ ہو۔

مسلمان عوام نے اپنے محبوب رہنما کا ارشاد سر آنکھوں پر لیا اور چن چن کر ایسے تار کے کھمبوں کو جی بھر کے ووٹ دیئے کہ پاکستان بن بھی گیا' حکومت چل بھی پڑی' حالات معمول پر آ بھی گئے لیکن یہ تار کے کھمبے بدستور اپنی اپنی جگہ استادہ رہے۔ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ حتیٰ کہ کھمبوں کے تار الجھ الجھ کر' جھنجنا جھنجنا کر ٹوٹنے لگے ---- بجلی کے بلب فیوز ہو گئے ---- نور کی جگہ ظلمت چھانے لگی اور مارشل لاء کی ریت وجود میں آ گئی۔

ایک علاقے کے چند کھاتے پیتے' تعلیم یافتہ نوجوانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ الیکشن کے موقعہ پر کسی قسم کے "جھرلو" کے دام فریب میں گرفتار نہ ہوں گے بلکہ رائے عامہ کو آزادانہ اور بے باکانہ طور پر اثر انداز کرنے کا جہاد کریں گے۔ اس علاقے کے مستقل اور سند یافتہ عزت مآب وزیر نے یہ خبر سن کر بہت واہ واہ کی۔ تعلیمی ترقی اور جمہوری بیداری کے عنوان پر بڑے خوشگوار قصیدے گائے اور ان نوجوانوں کے نیک ارادوں پر حکومت وقت کی خوش سگالی کی سند چپکانے کے لئے وزیر صاحب نے ان سب کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو فرمایا۔ پر تکلف دعوت اڑی۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوئیں اور جب وہ نوجوان کافی کی پیالیاں لے کر آرام سے صوفوں پر بیٹھ گئے تو یکایک کمرہ بند کر کے باہر قفل لگا دیا گیا! ایک یا دو روز بعد جب الیکشنوں کی مہم اچھی طرح سر ہو گئی تو یہ بلند ہمت نوجوان بھی رہائی پا کر خیر سے بدھو گھر کو آئے!

ایک مزارع کی بیوی چار بچوں' دو بیلوں' چند برتنوں اور کچھ کپڑوں کا اثاثہ سمیٹے سر راہ خانہ بدوشوں کی طرح بیٹھی تھی۔ اس کے خاوند نے زمیندار کی مرضی کے مطابق اپنا ووٹ ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس جرم کی سزا میں اسے کھڑے کھڑے زمین سے بے دخل کر دیا گیا' مکان چھن گیا۔ زمیندار کے گماشتے مزارع کو پکڑ کر تھانے لے گئے۔ تھانیدار نے چوری کے الزام میں اس کا پرچا کاٹا اور بیوی بچے اپنے دو بیلوں سمیت سڑک کے کنارے بیٹھ کر جمہوری راج کی برکتوں کا فیض پانے لگے۔

ایک اچھے خاصے متوسط درجہ کے خاندان کا سربراہ اچانک لاپتہ ہو گیا۔ الیکشن کے سلسلے میں وہ کچھ ناپسندیدہ قسم کی اکڑفوں دکھا رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے درخواست دی کہ الیکشن کے روز میرے باپ کو مخالف پارٹی نے اٹھا کر نہر میں پھینک دیا تھا۔ اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ درخواست پر تفتیش کا حکم جاری ہوا۔ رپورٹ آئی۔ "مسمی مذکور عرصہ سے مفقود ہے۔ پسر مسمی مذکور کا الزام بے بنیاد ہے۔ چنانچہ پسر مذکور کو زیر جرم قانون دروغ گوئی ماخوذ کیا جائے۔ چالان زیر تکمیل ہے۔ درخواست ہذا داخل دفتر ہو۔"

ایک دور افتادہ قصبے میں ایک مولوی صاحب تھے۔ پاکیزہ صورت' پاکیزہ سیرت' علم و فضل سے بہرہ مند' خدمت خلق کے جذبے سے سرشار' ضعیفی اور نحیفی میں بھی جوانوں سے زیادہ ہمت اور عزم کے مالک۔ انہوں نے ایک دارالعلوم اور ایک ہائی سکول بھی قائم کر رکھا تھا۔ بچوں سے کوئی فیس نہ لی جاتی تھی۔ کتابیں بھی سکول کی طرف سے مفت تقسیم ہوتی تھیں۔ اس علاقے کی بیشتر آبادی مولوی صاحب کے خلوص کی قائل اور ان کی بزرگی کی عقیدت مند تھی۔ غریب سے غریب کسان فصل آنے پر حسب توفیق گندم یا کپاس یا دھان مولوی صاحب کے بیت المال میں ڈال آتا تھا جس سے سکول بھی چلتا تھا' دارالعلوم بھی۔ اور یوں بھی کئی طرح سے غریب غربا کی امداد ہوتی رہتی تھی۔ اس تجربے کی کامیابی نے ہمت بڑھائی اور مولوی صاحب کو شوق ہوا کہ سکول کو وسعت دے کر کالج بنا دیا جائے اور اگر کالج بھی چل نکلے تو اس بنیاد پر ایک مکمل اسلامی یونیورسٹی کی داغ بیل ڈالی جائے۔ منصوبہ بلند و بالا تھا اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا شوق رفتہ رفتہ جنون کی صورت اختیار کر گیا۔ مولوی صاحب کے بہت سے عقیدت مند زندگی کا گرم سرد دیکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ ایسے عالیشان منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے کہ مولوی صاحب صوبائی اسمبلی میں ممبر بن کر جائیں اور وہاں پر اپنے تعلیمی عزائم کے حق میں آواز اٹھائیں۔

مولوی صاحب گوشہ نشین بزرگ تھے۔ سیاسی ریشہ دوانیوں سے الگ تھلگ۔ اقتدار کی ہوس سے بے نیاز۔ لیکن اپنے تعلیمی منصوبوں کی تڑپ میں وہ چار و ناچار سیاست کے میدان میں اتر ہی آئے اور اگلے الیکشن میں کسی پارٹی سے ناطہ جوڑے بغیر ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہو گئے۔ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ سب سیاسی جماعتوں کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھیں تاکہ ان کے تعلیمی پروگرام کو ان سب کی حمایت یکساں طور پر حاصل ہو سکے۔

اپنے علاقے میں دور دور تک مولوی صاحب کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ لوگوں نے جوق در جوق ان کے نام ووٹ ڈالے۔ یہاں تک کہ صوبے میں جس جگہ سب سے زیادہ عورتوں نے ووٹ ڈالے وہ مولوی صاحب ہی کا حلقہ تھا۔ بہت سی عورتوں نے حسن عقیدت کے جوش میں "فتویٰ" صادر کر دیا تھا کہ جو مرد مولوی صاحب کو ووٹ نہ دے گا' اس کا نکاح اپنی بیوی سے فسخ ہو جائے گا! الیکشن کے روز گاؤں گاؤں کی عورتیں ٹولیاں بنا کر نکلیں اور حمد و ثنا کے گیت اور نعتیں گاتی مولوی صاحب کی صندوقچی میں اپنے ووٹوں کے علاوہ جوش عقیدت میں چاندی کے چھوٹے چھوٹے زیور' نقدی' نوٹ' ریشم کے دھاگے بھی ڈال آئیں۔

سیاست کی باسی کڑھی میں خدمت اور خلوص کا یہ ابال ایک نیا عجوبہ تھا۔ شام کو جب ووٹوں کی سربمہر صندوقچیاں مسلح کانسٹیبلوں کی حفاظت میں تحصیل کے خزانے میں پہنچ گئیں تو راتوں رات سیاست کا "جھرلو" گردش میں آیا اور صبح ہوتے ہوتے قبلہ مولوی صاحب تو اپنے حجرے میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور ان کا وہ حریف بھاری اکثریت سے الیکشن جیت گیا' جو پچھلے کئی سال سے اسمبلی کی اس موروثی نشست کا جانشین بنا بیٹھا تھا۔ جس کے سر پر سرکار کی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

> "عوام کے نمائندوں کا چناؤ اکثر لاہور' پشاور' حیدر آباد اور کراچی کے شہروں میں بیٹھ کر ہوتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے دفاتر' اسمبلی ہالوں' حکومت کے ایوانوں میں پس پردہ سودا ہوتا ہے۔ ٹکٹ دینے اور ٹکٹ حاصل کرنے پر تن' من' دھن کی بازیاں لگتی ہیں۔ قرآن پر وفاداری کے حلف نامے تحریر ہوتے ہیں"

فرانس کے سابق صدر متراں روحانیت کے راستے پر!!

۷۸ سالہ متراں پہلے فرانسیسی صدر ہیں جو کھل کر موت کا تذکرہ کرتے ہیں

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

فرانسیو متراں اپنے پیچھے کئی یادیں چھوڑ کر جا رہے ہیں جن میں سوشلزم کا چودہ سالہ دور' لوو (Louvre) کے اہرام اور دوسری جنگ عظیم کے وقت کے لوگوں کے لئے یہ سبق کہ اپنے ماضی کے ساتھ کیسے سمجھوتہ کیا جاتا ہے۔ مئی میں اقتدار جیکوئیس شیراک کے حوالے کرنے کے بعد متراں نے اپنے آپ کو مرنے سے قبل روحانیت سے مستفید ہونے والوں میں شامل کرالیا ہے۔

اہل فرانس دیکھ رہے ہیں کہ سابق صدر کینسر کے سبب موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں لیکن ان کے بارے میں خبروں کا موضوع کینسر کا علاج معالجہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے موت کی طرف اپنا دھیان کر لیا ہے۔ ۷۸ سالہ متراں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اب ہر وقت صرف موت کی بات کرتے ہیں۔

میری ڈی ہنزل (Marie de Hennezel) کو جو ان کی دوست اور ایک سائیکالوجسٹ ہیں اور قریب المرگ افراد کی نگہداشت کی خصوصی مہارت حاصل کر رہی ہیں ان کی باتیں سننے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ وہ ایک نئی کتاب "بے خوفی کی موت" "La Mort Intime" کی مصنف بھی ہیں۔ انہیں مرتے ہوئے صدر سے تفصیلی بات چیت کرنے کا موقعہ ملا ہے اور اس دن کے لئے تیاری کرنے کی انہیں ہمت دلائی ہے جس دن وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ان کا جسم یہاں نہیں ہو گا لیکن ان کا دل فرانس میں انکار ہے گا۔

۴۹ سالہ سائیکالوجسٹ کہتی ہیں کہ "جناب متراں کا رویہ اس لحاظ سے صحت مندانہ ہے کہ وہ خود ہی اپنے آخری وقت کی تفصیلات طے کر رہے ہیں۔ غالباً وہ پہلے سربراہ مملکت ہیں جو اس طرح کھل کر موت کا تذکرہ کرتے ہیں.... لوگ ان کی باتوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو قبول عام حاصل ہوتا ہے ہر فرد ان کا قدر دان ہے۔ موت کو گلے لگانے کی تیاری کا مطلب زندگی کی ناقدری نہیں بلکہ زندہ دلی ہے کیونکہ موت جسم کو ہے نہ کہ دل کو۔

متراں نے ان کے کہنے پر ۱۹۸۷ء میں پیرس میں لاعلاج مریضوں کے لئے ایک مرکز قائم کیا تھا۔ اب پھیل کر ملک میں ایسے ۳۵ مراکز قائم ہو چکے ہیں جو بڑے بڑے ہسپتالوں کے ساتھ منسلک ہیں۔ مسزڈی ہنزل کو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب ۱۹۶۷ء میں جناب متراں ان کے مرکز میں آئے تھے۔ وہ ایک نوجوان عورت کے پاس گئے جو فالج کے سبب بولنے سے معذور تھی اور صرف اشارے یا ایک انگلی سے کمپیوٹر استعمال کر کے اپنی بات کہہ سکتی تھی۔ مسز ہنزل نے اپنی کتاب میں جو اس کے اپنے مشاہدات پر مشتمل ہے اس عورت کا ذکر کیا ہے جس کا نام ڈینیل تھا۔ اس وقت کے صدر متراں نے کچھ ایسے احترام سے اس خاتون کو مخاطب کیا کہ اس کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک لمحہ کے لئے خوشی سے دمک اٹھا۔ شاید صدر متراں کو اپنی بیماری کا علم تھا' چنانچہ چند ماہ بعد انہوں نے مسزڈی ہنزل کو بتایا کہ جلد ہی مجھے بھی آپ کی نگہداشت میں آنا ہے۔ ان کے ساتھ ہونے والی حالیہ باتوں کے حوالے سے مسزڈی ہنزل نے بتایا کہ ان کے حوصلے بلند ہیں۔ انہوں نے زندگی اور موت کے درمیان رشتے کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ اب انہیں اس کا عملی تجربہ ہو رہا ہے چنانچہ وہ تنہائی چاہتے ہیں۔

مسزڈی ہنزل کی کتاب کا پیش لفظ متراں نے تحریر کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کے پڑھنے جو بہترین سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ موت کو پرسکون بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں۔ میرے نزدیک کوئی بھی موت "اچھی" یا "بری" نہیں ہوتی۔ موت' موت ہی ہے۔ اب یہ ہر شخص پر منحصر ہے کہ وہ موت کے بارے میں کس طرح سوچتا ہے۔ ابھی میں نے یہ کتاب نہیں لکھی تھی' میں نے ایک بار خواب دیکھا کہ میں ایک تاریک چمنی میں بند ہوں جو کالک اور غلاظت سے پر ہے لیکن میں کیا دیکھتی ہوں کہ کوئی شے اس غلاظت کے اوپر بہہ رہی ہے' اسے چکھا تو پتہ چلا کہ وہ شہد تھا۔ نفسیات کے تجزیہ نگار اس خواب کی کئی تعبیریں کریں گے لیکن میں اس سے یہ تاثر لیتی ہوں کہ موت میں مثبت پہلو بھی موجود ہوتے ہیں۔

مسزڈی ہنزل پیرس میں اپنے آرٹش خاوند' بیٹی اور دو چھوٹے بیٹوں کے ساتھ ایک خوبصورت فلیٹ میں رہائش پذیر ہیں۔ لگتا ہے اپنے آپ کو وہ صوفی تصور کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ موت کے مثبت پہلوؤں کی وضاحت تو مشکل ہے لیکن یہ چھوٹے چھوٹے مشاہدات ہیں جو مرنے والوں سے ملتے ہیں' خواہ مرنے والا نہایت تکلیف میں اور بالکل نوجوان ہی کیوں نہ ہو۔ ایک شخص آخری سانس تک امید کا دامن تھامے رہ سکتا ہے' ایک شخص سامنے موت کھڑی دیکھ رہا ہے لیکن پھر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ رہنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔ ایسے افراد کو جو ایڈز جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اپنے انجام سے آگاہ ہونے پر موت کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ رویہ کا اظہار کرتے ہیں اور ہمیشہ وصیت لکھ کر جاتے ہیں۔

جو لوگ بھرپور زندگی گزارتے ہیں ان کے لئے موت آسان ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ طویل عمر ہو' مگر جتنی بھی ہو متنوع اور تجربات سے پر ہو۔ ایسے لوگ اپنے بارے میں مطمئن ہوتے ہیں۔ جناب متراں نے بلاشبہ بڑی بھرپور زندگی گزاری۔ مزاحمتی جنگ لڑنے سے لے کر عہدہ صدارت تک پہنچے۔ زندگی کے بارے میں وہ کہتے ہیں "زندگی شروع ہوتی ہے' پروان چڑھتی ہے اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے' جیسے بہتی ہوئی ندی" اپنے بارے میں وہ کہتے ہیں "مجھ میں

(باقی صفحہ ۶ پر)

یہ ملک جاگیرداروں اور وڈیروں کی مشترکہ جاگیر ہے!!

مسلم لیگ میں شامل جاگیرداروں نے غریب عوام کو اسلام کے نام پر دھوکہ دیا

اس ملک کے تمام وڈیرے دراصل ایک ہی "خاندان" کے افراد ہیں!!

پاکستان کے وڈیروں کی تاریخ پر مشتمل عقیل عباس جعفری کی کتاب "پاکستان کے سیاسی وڈیرے" سے ماخوذ

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

پاکستان پر حکمران جاگیردار اور وڈیرے دیکھنے میں ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں مگر ایک خصوصیت ان میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ انہیں ہمیشہ اپنا ذاتی مفاد عزیز ہوتا ہے' خواہ اس کے مقابلے میں کتنے ہی اعلیٰ اور نیک مقاصد کیوں نہ ہوں۔ اس کے برعکس اگر انہیں اپنے پلے سے کچھ دینا نہ پڑ رہا ہو تو بڑے معزز اور شریف النفس انسان نظر آتے ہیں۔

ایک جاگیردار اور وڈیرے کی ساری دولت اور مراعات ان غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی کا نتیجہ ہیں جو اس کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یہ صورت حال قیام پاکستان سے قبل بھی موجود تھی اور آج بھی جوں کی توں ہے۔ مگر کوئی فرق واقع ہوا ہے تو صرف یہ کہ انگریز کے دور میں جو بھی کچھ معقولیت اور امن و امان کی کیفیت تھی پاکستان میں سرفتہ رفتہ ملکی معاملات پر حکومت کی گرفت کمزور پڑنے سے وہ بھی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ غریب آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جاگیرداروں اور وڈیروں پر مشتمل آل انڈیا مسلم لیگ نے اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیا تھا۔ چونکہ آل انڈیا کانگرس کے پروگرام میں زرعی اصلاحات شامل تھیں اس لئے یہاں کے جاگیردار طبقہ نے محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے پاکستان حاصل کیا تھا' یہی وہ ذہنیت ہے جس کی وجہ سے بعد میں مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا۔

یہاں یہ اہم سوال سامنے آتا ہے کہ یہ وڈیرے کون لوگ ہیں؟ کتنے ہیں اور وہ کون سا جذبہ محرکہ ہے جس سے انہیں مستقلاً اقتدار حاصل ہے؟ ان کا طریقہ کار کیا ہے اور آئندہ کب تک ان کے برسراقتدار رہنے کا امکان ہے؟ عقیل عباس جعفری صاحب نے اپنی انسائیکلوپیڈیائی کتاب "پاکستان کے سیاسی وڈیرے" میں ان کے علاوہ ایسے کئی دوسرے سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے پاکستان کے کل اکیاسی جاگیردار خاندانوں کے تاریخی حالات قلمبند کئے ہیں جن میں سے ۱۵ کا تعلق صوبہ سرحد' ۳۰ کا تعلق پنجاب' ۲۵ کا تعلق سندھ اور ۱۶ کا تعلق بلوچستان سے ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے جو تصویر سامنے آتی ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے اور سازشوں کا مرقع بھی۔

۱ ان میں سے بیشتر خاندان وہ ہیں جو اصلاً اس سرزمین سے تعلق نہیں رکھتے' ان کی حکمرانی گویا ایسے لوگوں کی حکمرانی ہے جو فرزند وطن Son of Soil نہیں۔ یہ وہ خاندان ہیں جو ایران' افغانستان اور وسطی ایشیاء سے حملہ آوروں کے ساتھ آئے اور فاتح ہو کر یہاں مقیم ہو گئے۔

۲ بعض کا تعلق یہاں کے جنگجو قبائل سے ہے جو وقتاً فوقتاً اسلام قبول کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے جنگجویانہ کردار کے بل بوتے پر معاشرے میں فوقیت حاصل کر لی۔

۳ بعض وہ ہیں جن کے باپ دادا جرائم کی دنیا کے بادشاہ تھے اور اس وقت کے حکمرانوں نے ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے انہیں بڑی بڑی جاگیریں عنایت کر رکھی تھیں۔

۴ بلوچستان' سرحد اور پنجاب کے اکثر خاندان وہ ہیں جنہوں نے اپنے ملک اور قوم سے غداری کرتے ہوئے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اور اس کے بعد بھی انگریزوں کا ساتھ دیا اور اس کے بدلے میں انہیں اس خطے میں' جو اب پاکستان ہے' بڑی بڑی جاگیریں عطا ہوئیں۔

۵ انگریزوں نے اپنی مصلحت کے تحت ان خاندانوں کو اپنے اپنے علاقے کے انتظامی معاملات میں اختیارات دے کر بڑی تیزی سے اوپر آنے کا موقعہ فراہم کیا۔

۶ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نے لیجسلیٹو کونسل اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں نامزدگی کا طریقہ رائج کر کے جاگیردار طبقے کو صوبائی اور قومی سیاست میں داخل کیا' اس طرح انہیں اپنے ذاتی مفادات کے لئے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کی تربیت ملی۔

۷ اس دوران انہیں محسوس ہوا کہ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر نوکر شاہی اور دفاعی افواج میں داخلہ ضروری ہے چنانچہ شاید ہی کوئی خاندان ایسا ہو گا جس کے عزیز و اقارب میں سے پاکستان کی سول سروس اور افواج میں کوئی آدمی نہ ہو۔ لہٰذا سول حکومت ہو یا مارشل لاء' جاگیردار طبقہ کی اس میں نمائندگی برقرار رہتی ہے۔

۸ ایک اور اہم عنصر ان کی آپس کی رشتہ داریوں کا لمبا سلسلہ ہے' جس سے یہ طبقہ غیر معمولی طور پر طاقت حاصل کر چکا ہے۔ مذکورہ بالا اکیاسی خاندان آپس کی رشتہ داریوں کے ذریعے باہم منسلک ہیں۔

۹ ان پڑھ لوگوں کو بے وقوف بنانے اور ان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے بعض ہوشیار خاندانوں نے اپنے بزرگوں کی کرامات کو ذریعہ بنا کر مستقلاً گدیاں قائم کر لیں اور خود ایک آج جاگیردار طبقہ اگرچہ پوری طاقت سے ملک

پر مسلط ہے لیکن اس صورت حال کا زیادہ عرصہ برقرار رہنا ممکن نظر نہیں آتا اس لئے کہ دنیا میں جاگیرداری نظام کہیں باقی نہیں رہا اور پاکستان بہرحال دنیا سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ البتہ خود بخود ایسا نہیں ہو گا' خود بخود کوئی کام نہیں ہوتا' عوام کی طاقت سے ہو گا۔

Weekend Post)

بقیہ : وطن کی فکر کرناداں....

کی طرح اب تک ہم پر "امریکہ میڈ" حکومتیں مسلط کی جاتی رہی ہیں' ہم چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ مخلص حکمران حاصل کر لیں گے۔

یہ امر قابل فہم ہے کہ روزمرہ کے کاموں کا بوجھ اور ذاتی گھمنڈ کسی سینئر سول یا فوجی افسر کو نظام کے باہر سے آنے والی ہدایات پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتے' لیکن نفسیات کے ڈاکٹر خصوصیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ فوری خطرات عام آدمی کو اپنی صحت' دولت اور مرتبہ بھلا دیتے ہیں اور یک دم انہیں خود کو بچانے کے لئے اقدامات کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہودی امریکن تیزی سے ہم پر حملہ آور ہیں۔ ملک کی حفاظت پر معمور افراد کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے حرکت میں آ جانا چاہئے۔ قسمت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن وہ اسے انسان کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کے مطابق تشکیل دیتا ہے۔

بقیہ : مکتوبِ کراچی

چکی ہے۔ بن سنور کر بازار میں نکلنا اس طرح کا ہے جیسے وہ اپنے مکان کے صحن میں محو خرام ہوں۔ بات ذرا سخت ہو جائے گی لیکن حقیقت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس بات پر بھی کچھ لوگ ایڈیٹر کو فون کر کے میری سرزنش کریں گے۔ وہ سخت بات یہ ہے کہ تقسیم سے قبل غیر مسلم عورتیں اس طرح بن سنور کر بازاروں میں نکلتی تھیں یا وہ طوائفیں جنہیں حکومت نے لائسنس دے رکھا تھا۔

ریڈیو اور ٹی وی معاشرے کو بگاڑنے میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ اسلامی اقدار کو قتل کرنے کے مراکز ہیں۔ یہاں اس کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان اداروں کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ بھی "ہفتہ دعا" منائیں اور سب مل کر دعا کریں کہ اے اللہ ہمیں شرم و حیا کی توفیق دے!!

اپوزیشن والے کہتے ہیں کہ انصاف کا قتل ہو رہا ہے' عدالتوں میں جیالے بٹھا دیئے گئے ہیں شاید انہیں جناب صدر کے آرڈی نینس کی خبر نہیں جس میں پولیس کی ابتدائی تفتیش کو حتمی قرار دیا گیا ہے۔ انصاف کا قتل تو پہلے مرحلے میں ہو گیا۔ اب وہ جج صاحبان کیا کریں گے۔ اس انصاف کا قاتل کون ہے؟ آپ ہی انصاف کریں!OO

بقیہ : حسنِ انتخاب

خوشنودی کا سایہ اور ہاتھ میں ایک منظم سیاسی پارٹی کا جھنڈا تھا اور جس کے گھر تین منکوحہ بیویوں کے علاوہ بہت سے کتے اور کئی دوسری طرح کے لوازمات بھی موجود تھے۔OO

(ماخوذ از "شہاب نامہ" صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۷)

بقیہ : رودادِ چمن

اسلام میں بہت سے نظریات کی پیوند کاری ہوتی رہی ہے۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ نظریات اتنے پختہ ہو جاتے ہیں جن کے خلاف کچھ کہنا زلزلے کو دعوت دینا ہے۔ ان نظریات میں "مادر وطن کا تصور" "فرزند زمین" کا نعرہ ایسا مقدس بن گیا ہے کہ وہ ایمان کا ایک حصہ قرار پا گیا ہے۔ وطن کی زمین کو چومنا' اس پر نثار ہونے کا تصور' اس کے لئے سر کٹانے کا شوق' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ بلند تصور کیا جانے لگا ہے۔ اللہ کے دین کی پامالی قبول ہے مگر مادر وطن کی ایک اینٹ ادھر سے ادھر کھسک جائے' یہ منظور نہیں۔ قومیتوں کے بت کے بعد یہ سب سے بڑا بت ہے بلکہ سومناتھ ہے۔ فرزند زمین کا نعرہ لگانے والے یہ حقیقت بھول گئے کہ یہ زمین تو "آدم خور" ہے۔

مسلمان معاشرے میں زمین کا تقدس ہندو معاشرے سے بھی بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ہندو معاشرے نے زمین کے تقدس کو "گئوماتا" سے تشبیہ دی تھی۔ مگر انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اسی گئوماتا کے ٹکڑے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ آزادی کے بعد اس نے ملکی ضروریات کے تحت متعدد صوبے بنائے' جس سے انتظامی امور میں آسانی ہو گئی۔ ایک ہم ہیں کہ انتہائی شدید ضرورت اور مطالبہ کے باوجود اسے انتظامی یونٹ میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ خود بے شمار ذات پات کی گروہ بندی میں تقسیم ہیں۔ بے شمار قبائل ہم میں موجود ہیں۔ زبانوں کی تعداد کم نہیں ہے' عقیدے کی بنیاد پر ایک فقہ کے ماننے والے گروہ در گروہ میں بٹ گئے ہیں۔ نظریاتی جماعتیں دھڑوں میں تقسیم ہو چکی ہیں مگر ضد اس بات کی ہے کہ انتظامی امور کے لئے چھوٹے صوبے نہیں بنائے جا سکتے۔ قرآن مجید کے پاروں کی تقسیم بہت بعد کی پیدا کردہ ہے۔ یاد کرنے کے لئے اسے تیس (۳۰) حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ قرآن مجید ویسا کا ویسا ہی رہا۔ ایک حرف' ایک شوشہ کا فرق نہیں ہوا۔ کیا پاکستان کے موجودہ صوبے اور ان کے اطراف قرآن مجید سے زیادہ مقدس ہیں' جسے انتظامی امور کے لئے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اس تقسیم سے اس کی ایک انچ زمین نکل کر بھارت میں شامل ہو جائے گی۔ یہ کیا تصور ہے۔ ہم تو لات و منات سے بھی بڑے بت کے پجاری نکلے۔ جدید بت پرستی کے تصور سے ہم جس قدر چمٹے ہیں وہ پرانے بت پرست بھی اس کے آگے ماند پڑ گئے۔ کس منہ سے ہم انہیں مشرک یا بت پرست کہہ سکتے ہیں۔

اس بت پرستی کی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے۔ زبان کے بت' قومیتوں کے بت اور صوبوں کے بت' اس کے علاوہ اور بھی چھوٹے بڑے بت موجود ہیں۔ ذرا غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ ان کو بیان کر کے بات کو زیادہ تلخ کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ علامہ اقبال کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے

دید رائے بو علی با رائے من!" .... ایک اور پتے کی بات انہوں نے یہ بتائی کہ "تصدیر انقلاب" سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں فقہ جعفریہ کے نفاذ کی کوشش کی جائے بلکہ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں دین اسلام کو غالب و سربلند ہونا چاہئے اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اکثریتی فقہ کے مطابق اسلامی نظام حکومت تشکیل دیں!

جناب واعظ زادہ کا یہ خطاب ہمارے نقطہ نظر سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ارادہ ہے کہ اس خطاب کے ترجمے کو مکمل فارسی متن سمیت ندائے خلافت کی آئندہ کسی اشاعت میں ہدیہ قارئین کر دیا جائے اور پھر پمفلٹ کی صورت میں بڑے پیمانے پر پھیلایا جائے۔ السعی منا والاتمام من اللہ OO

جان لینا میرے قاتل کی ادا ٹھہری ہے!!

اب اہل کراچی اس ظلم و ستم سے مانوس ہو گئے ہیں

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا!

جہاں انصاف کو ذبح کر دیا گیا ہو وہاں انصاف کی توقع کس سے ہو!

نجیب صدیقی

شاعر کا قاتل اس کا محبوب ہوتا ہے مگر اس قتل پر کوئی آر ڈی نینس لاگو نہیں ہوتا۔ وہ دور ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا ہے جس میں حسن و عشق کے قصے ہوا کرتے تھے۔ شاعر ہجر و وصال میں ڈوب کر شعر کہا کرتے تھے۔ یہ دور تو آگ و خون کا ہے' کلاشنکوف کا ہے۔ خاص کر کراچی والے اس دور بلاخیز سے گزر رہے ہیں۔ کئی سال کی مسلسل فائرنگ سے اب تو بچے بھی مانوس ہو گئے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ فائر ٹی ٹی کا ہے' یہ کلاشنکوف کا ہے اور یہ آواز پسٹل کی ہے۔

کراچی میں جو قتل ہو رہا ہے کس کا کتنا حصہ ہے' کون قاتل ہے اور کون مقتول' کتنے بے گناہ ہیں اور کتنے گناہگار شامل ہیں' یہ تو اس وقت ظاہر ہو گا جب یہ بادل چھٹیں گے' تیرگی دور ہو گی اور روشنی کی کرن نمودار ہو گی!!

جن لوگوں کا میڈیا پر قبضہ ہے وہ تو اپنی من پسند کے مناظر دکھاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں' ہماری ہر بات کو معاشرہ تسلیم کرے گا۔ یہ دور اندھوں کا دور نہیں ہے' لوگ آنکھیں رکھتے ہیں منظر کے پیچھے جو کچھ ہے اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ گدھے کو گھوڑا بنانے کے لئے جتنا بھی زور لگا دیا جائے وہ گھوڑا نہیں بن سکتا۔ جن لوگوں کے چہروں پر سیاسی ماسک ہیں انہیں بھی لوگ خوب پہچانتے ہیں۔

مذاکرات کرکٹ میچ کی طرح کبھی اسلام آباد اور کبھی کراچی میں "کھیلے" جا رہے ہیں اور یہ میچ ہر بار "ڈرا" ہو جاتا ہے۔ دونوں فریق امن چاہتے ہیں' مگر تدبیر سے نہیں' صرف دعاء سے' امن ریلی سے اور مظاہروں سے۔ آج ہی محترم وزیر اعلیٰ صاحب کی تصویر مشیروں کے ہمراہ اخبارات کی زینت بنی ہے جس کا عنوان "ہفتہ دعائے امن" ہے۔ ہاتھ اٹھے ہوتے ہیں' آنکھیں جھکی ہوتی ہیں اور اگر چشم تصور سے دیکھئے تو خشوع اور خضوع کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داریوں کو چاہئے کہ اس کا تراشہ اللہ میاں کے "سکریٹریٹ" میں بھجوا بھی دیں۔ تاکہ اسے بھی معلوم ہو جائے کہ ہم امن قائم کرنے میں کتنے مخلص ہیں!!

زمانے نے بڑی ترقی کر لی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے ہر شے کو بلندی تک پہنچا دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ سرکس میں جوکر اپنا کرتب دکھایا کرتے تھے' پھر کچھ ترقی ہوئی "سوانگ" اور "بہروپ" کا دور آیا۔ بہروپئے آتے' اپنا کمال دکھاتے اور نذرانہ وصول کرتے۔ یہ دور ڈرامہ کا دور ہے اور اس نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی ہے۔ آج کل اس کا عروج ہے۔ ایک شخص مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے' کبھی باپ کے روپ میں آتا ہے کبھی بیٹے کے' کبھی چور اور اچکا بن جاتا ہے اور کبھی کوئی صوفی کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی مسلسل تربیت نے بچوں کے اندر بھی یہ صفات پیدا کر دی ہیں اور یہ اصطلاح چل نکلی ہے کہ "صحیح بات کرو ڈرامہ نہ کرو"۔ اس ڈرامے نے اعتماد کی دولت معاشرے سے چھین لی ہے۔ گھر بازار ہر جگہ اس کا چلن ہو گیا ہے۔ بچہ روتا ہے تو ماں کہتی ہے کہ ڈرامہ بند کرو!

> "جن لوگوں کا میڈیا پر قبضہ ہے وہ تو اپنے من پسند منظر دکھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں اور ہماری ہر بات کو معاشرہ تسلیم کرے گا لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اندھوں کا دور نہیں ہے۔ لوگ آنکھیں رکھتے ہیں' منظر کے پیچھے جو کچھ ہے اسے بھی دیکھ لیتے ہیں"

اس ڈرامے سے سیاسی شخصیات بھی نہیں بچی ہیں بلکہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ان سے بڑا ڈرامہ باز کوئی نہیں۔ ووٹ حاصل کرتے وقت وہ کیسے کیسے ڈرامے کرتے ہیں اور بعد میں اس کا دوسرا "سین" دکھانے لگتے ہیں۔ ان کی بات پر اعتماد کرنا خود کو دھوکہ دینا ہے۔

ملک کے بجٹ کے بارے میں آپ اکثر لوگوں سے سنیں گے کہ یہ ڈرامہ ہے۔ اعداد و شمار کا ڈرامہ ہے۔ بجٹ سے پہلے کہا جاتا ہے کہ آئندہ منی بجٹ پیش نہیں ہو گا مگر ہر ماہ اضافہ کی "خوشخبری" ملتی رہتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مہنگائی کا اثر عوام پر نہیں پڑے گا' یہ ڈرامہ نہیں تو اور کیا ہے۔

بات قاتل اور قتل سے شروع ہوئی تھی۔ اب میں کچھ دوسرے قتل کا ذکر کروں گا۔ مسلم معاشرے کا سرمایہ اس کی اپنی اقدار ہیں۔ ہر سطح پر ان اقدار کا قتل ہو رہا ہے اور قاتل بھی ہم ہی ہیں۔ شرم و حیاء مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہم نے اسے صرف قتل ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس کا مثلہ بھی کر دیا ہے۔ بے پردگی اور حیا سوزی گلیوں اور بازاروں کی زینت بن

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

بنتِ کشمیر دخترِ بنگال

(سانحۂ مشرقی پاکستان پر لکھی گئی ایک دلفگار نظم)

مشیر کاظمی

جب روپہلی چاندنی میں بھیگ جاتے ہیں چمن
جگمگاتا ہے دلہن بن کے مرا پیارا وطن

قمقموں کی روشنی میں شہر کھو جاتا ہے جب
چاندنی کی سیج پر لاہور سو جاتا ہے جب

رات کے پچھلے پہر چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
روز آتی ہے کسی کے بین کرنے کی صدا

بین سن کر پھوٹتے ہیں چاند تاروں کے حباب
مل کے روتے ہیں گلے' دریائے راوی و چناب

میں کئی برسوں سے متلاشی تھا اس آواز کا
آج عقدہ کھل گیا اس بھید کا اس راز کا

شاہی مسجد کے در و دیوار کے سائے تلے
چاند کو چھوتے ہوئے مینار کے سائے تلے

اک حسینہ بال کھولے تربتِ اقبال پر
ذکر ماضی چھیڑ کر روتی ہے اپنے حال پر

پیرہن تو سرخ ہے' دامن ہے لیکن تار تار
پھول ہیں چہرے کے بکھرے اجڑا اجڑا ہے سنگھار

زرد چہرہ خشک لب اور کھویا کھویا دل کا چین
سہمی سہمی سسکیوں میں اس طرح کرتی ہے بین

شاعرِ مشرق میں ہوں ہاری ہوئی تقدیر کی
میں ہوں اک اجڑی دلہن' بنگال کی کشمیر کی

میرا ڈولا لوٹ کے راون کے بیٹے لے گئے
سر کی چادر چھین کے چاون کے بیٹے لے گئے

دودھیا ہاتھوں کی مہندی' خون بن کے بہہ گئی
بیج سجنے بھی نہ پائی' میں اجڑ کر رہ گئی

ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے بنگال کی تقدیر کے
آئی ہوں فریاد لے کے وادیٔ کشمیر سے

اک مسلمانوں کی بیٹی پر ہوا تھا جب ستم
کھل گئے تھے ابنِ قاسم کی شجاعت کے علم

بیٹیاں برباد ہیں بنگال میں کشمیر میں
جوش کیوں آتا نہیں اسلام کی شمشیر میں

کیوں مسلمانو تمہارا خون پانی ہو گیا؟
جذبۂ اسلاف ماضی کی کہانی ہو گیا

تم مسلماں تھے مگر کردار کھو بیٹھے ہو تم
مغربی تہذیب کے دلدار ہو بیٹھے ہو تم

اے جوانانِ وطن' کیا یہ تمہیں معلوم ہے؟
یہ وطن کیسے بنا تھا' اس کا کیا مفہوم ہے؟

ہے تخیل کس کا یہ' کس کا تصور ہے وطن
پاک ملت کے لئے کس نے چنا تھا یہ چمن

یہ وطن اقبال کے اک خواب کی تعبیر ہے
قائد اعظم کے دست عقل کی تعمیر ہے

قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کو زندہ کیا
قائدِ ملت نے اس کا نام تابندہ کیا

بعد میں کچھ رنگ بدلا اس طرح حالات کا
جس طرح بارات میں نوشہ نہ ہو بارات کا

باغبانوں نے گلستاں کی بہاریں لوٹ لیں
کچھ لٹیروں نے شبستاں کی بہاریں لوٹ لیں

جو بھی آیا جھولیاں پھولوں سے بھر کر لے گیا
اور کوئی بلبلوں کے پر کتر کے لے گیا

کوئی ظالم آگ گلشن میں لگا کر چل دیا
کوئی ظالم آشیانوں کو جلا کر چل دیا

بلبلوں کے گیت جگنو کی چمک تک لے گئے
قطرۂ شبنم کے چہرے کی دمک تک لے گئے

چند بے دینوں کے گھر سونے کے مندر بن گئے
جو گدا تھے وہ نصیبے کے سکندر بن گئے

الغرض اس کشمکش میں مشرقی حصہ گیا
اب ہمارے واسطے اک درد دائم رہ گیا

اے مشیر اب ختم کر یہ داستانِ دلفگار
دامن اردو زباں بھی ہو نہ جائے تار تار